اکرم سہیل: شخصیت و شاعری

(تجزیاتی مطالعہ)

رانا توفیق صدیقی

روہی بکس

گلی نمبر۔ ۲ ماڈل ٹاؤن اے کوتوالی روڈ

فیصل آباد ۰۳۴۲۷۶۰۷۲۳۹

نام کتاب	:	اکرم سہیل شخصیت وشاعر (تجزیاتی مطالعہ)
مصنف	:	راناتوفیق صدیقی، کیل گراں، مظفر آباد
اہتمام	:	فرہاد احمد فگارؔ، مظفر آباد
		(۰۳۳۳۴۹۴۹۲۲۷)
ناشر	:	محمد اکرم عارِبیؔ(۰۳۴۲۷۶۰۷۲۳۹)
قیمت	:	۵۰۰روپے
اشاعت	:	مارچ2023ء

انتساب

والد محترم:

اقرار حسین،

والدہ محترمہ:

بشیر فاطمہ

اور اساتذہ کے نام

فہرست

ذرا نم ہو تو۔۔۔۔۔

جہاں ہمارا معاشرہ ادب و کتاب سے لاتعلق ہوتا جا رہا ہے وہیں چند نوجوانوں کی اس شعبے سے وابستگی و دلچسپی باعث اطمینان بھی ہے اور امید زندہ ہے کہ مستقبل میں یہی نوجوان علم وادب کی شمع روشن کر کے قوم کی شعوری رہنمائی کا فریضہ انجام دیں گے۔

قوموں کی تہذیب ،اخلاق معیار اور طرز فکر کی پیمائش کا ایک ذریعہ ادب بھی ہے۔ادیب کے قلم کی نوک سے نمو پاتے لفظ قوموں کی سوچ اور تہذیب کی عکاسی کرتے ہیں۔اکرم سہیل ایسے ہی جہاں دیدہ اور صاحب فکر قلم کار ہیں۔ جنہوں نے اپنی قلمی کاوش سے اپنی قوم کی فکری آبیاری کی کوشش کی ہے۔اکرم سہیل نے اپنی شاعری میں جہاں معاشرتی عدم مساوات اور قابل مذمت رسم ورواج کے خلاف توانا آواز بلند کی ہے وہیں انسانیت کے خود ساختہ اور خود اختیاری دکھوں کی بھی نشان دہی کی ہے اور ظلم کے سامنے سرنگوں ہونے والوں کی مذمت بھی کی ہے۔ یہی معاشرتی اور تہذیبی تعلیم ہے جس کے توسط سے ادیب اپنی سوچ اور اپنے ادرشوں کو عام آدمی کے ذہن میں منتقل کرتا ہے اور شعوری بے داری کا ساماں مہیا کرتا ہے۔

رانا توفیق صدیقی اردو ادب کے سنجیدہ طلبہ میں شامل ہے جو ادب کے اسلوب ،ادب کی ضروریات اور فکری وفنی جہتوں کو سیکھنے کی سنجیدہ اور کام یاب کوششوں میں مصروف ہے۔اس بات کا ثبوت نوجوان طالب علم کا وہ تحقیقی کام ہے کو اس نے مصروف دانش ور اور صاحب فکر ادیب کی شاعری اور شخصیت کے مختلف پہلوئوں کو اجاگر کرنے کے لیے کیا ہے اور اسے کتابی صورت دے کر

آنے والے نوجوان طلبہ کے لیے رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔اس تحقیقی مقالے میں نوجوان محقق نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے اکرم سہیل کے اسلوب نگارش، فنی اور فکری پہلوئوں کو سامنے لایا ہے۔صاحب کتاب کی طرز تحریر و تحقیق اس کے شان دار مستقبل کی غمازی کر رہا ہے۔

توفیق صدیقی نے اس تحقیقی کاوش میں مقدور بھر شائستہ و شستہ زبان کا استعمال کیا ہے۔امید کی جاتی ہے کہ یہ نوجوان مستقبل میں خطے کی تحقیقی روایت میں قابل قدر اضافہ ہو گا اس کتاب سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابھی ہمارے ارد گرد حرف و حکایت کے قدردان موجود ہیں اور انہی کے توسط سے ہماری ادبی کھیتی سرسبز رہنے کے امکانات موجود ہیں۔

شوکت اقبال۔مظفر آباد

ہدیہ تبریک

تحقیق ایک بحر بے کراں ہے جس کی گہرائی کا اندازہ ہر کس و ناکس کے بس سے باہر ہے، اس کے باوجود تحقیق کا عمل کل بھی جاری تھا اور آج بھی جاری ہے اور جب تک دنیا قائم رہے گی، تحقیق کا عمل بھی جاری و ساری رہے گا۔ محقق کے لیے لازمی ہے کہ وہ جس سمندر (موضوع) کو ناپنے کی کوشش کر رہا ہے، اس کی گہرائی و گیرائی کی پیائش کے دوران میں کس قدر قیمتی جواہرات اہلِ ادب کے سامنے پیش کر سکا ہے، مزید برآں اس نے جس موضوع کو تحقیق کا اساس بنایا ہے، اس کو انجام تک پہنچانے میں کس حد تک کام یاب ہے۔

رانا توفیق صدیقی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے تحقیقی کام "اکرم سہیل، شخصیت و شاعر" پر عرق ریزی سے کام کیا ہے اور اکرم سہیل کے تعلق سے وہ تمام گوشے واشگاف کرنے کی کوشش کی ہے جن کی طرف عام طور پر نگاہ نہیں تھی۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ رانا توفیق صدیقی کی یہ تحقیق اکرم سہیل کی شخصیت اور شاعری کے حوالے سے ایک بھرپور تحقیق ہے۔ رانا توفیق صدیقی نوجوان قلم کار ہیں اور ادب کے تئیں ان کی محنت اور لگن اس بات کا غماز ہے کہ وہ دنیائے ادب کو اپنے تحقیقی کارناموں سے چکاچوند کرتے رہیں گے۔

عنبر شمیم، ہوڑہ، مغربی بنگال، بھارت

۲۵/مارچ ۲۰۲۳ء

دشتِ تحقیق کا مسافر

تحقیق در حقیقت ریت کے ذروں سے سونا تلاش کرنا ہے۔ یہ وہ مشکل کام ہے جسے کرنے کے لیے حوصلہ اور لگن بلا شبہ درکار ہے۔ لمحۂ موجود میں لوگ تھوک کے حساب سے ڈگریوں کے حصول کے لیے تحقیقی مقالے رقم کر رہے ہیں لیکن اکثر تحقیق کے فن سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔ موضوع کے ساتھ انصاف کرنا تو کجا موضوع کے بارے میں قطعاً نابلد ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بے شمار اچھے موضوعات پر سطحی درجے کا کام ہونے کی بنا پر موضوع ضائع ہو جاتا ہے۔ میں بے شمار ایسے اسکالرز کو جانتا ہوں جن کی نہ ہی موضوع میں دل چسپی ہوتی ہے اور نہ ہی تحقیق میں بل کہ ان کا مطمعِ نظر فقط سند اور ترقی ہوتی ہے لیکن اس کے بر عکس بے شمار ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ صرف تحقیقی پیچ و خم سے واقف ہوتے ہیں بل کہ موضوع سے آشنائی بھی رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کہ تعداد محدود ہے مگر ان کا کام بہت معنی خیز اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ خالد توفیق کا تعلق محققین کے اسی قبیل سے ہے جو تحقیق کا حق ادا کرنا جانتے ہیں۔ میں اپنے جن شاگردوں پر حقیقی معنوں میں فخر کر سکتا ہوں خالد توفیق ان میں سے ایک ہیں۔ توفیق نے یہ کام کیا تو سند کے حصول کے لیے تھا اور اس میں سندی تحقیق کی تحدید کا سامنا بھی رہا۔ تاہم باوجود اس کے انھوں نے موضوع سے بڑی حد تک انصاف برتا ہے۔ توفیق اردو کا ایسا محب ہے جو زبان کے حوالے سے خاصا محتاط واقع ہوا ہے۔ املا اور جملے کی ساخت میں اس کی محنت پوری کتاب میں جھلک رہی ہے۔ اکرم سہیل جیسے بڑے دماغ پر تحقیق کرنا یقیناً مشکل تھا جسے خالد توفیق جیسے زیرک محقق نے بڑی آسانی سے کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں موصوف کا یہ کام علمی و ادبی حلقوں میں داد و تحسین کا مستحق ٹھہرے گا اور خاطر خواہ مقبولیت حاصل کر پائے گا۔ میری دعا ہے کہ خالد توفیق کے قلم میں مزید وسعت پیدا ہو۔

فرہاد احمد فگار، مظفر آباد.....۵/اپریل ۲۰۲۳ء

مثبت اضافہ

سوانح نگاری انتہائی دقیق موضوع ہے جس میں صاحب عنوان کے ہر پہلو کو اجاگر کرنا ہوتا ہے تاکہ شخصیت کا خاکہ و تذکرہ ہر لحاظ سے مکمل ہو۔اس غرض سے تحقیق کا عنصر غالب رہتا ہے۔رانا توفیق صدیقی نے اکرم سہیل کی ادبی و شخصی جہتوں کو کما حقہ انداز میں اجاگر کیا ہے۔کوئی بھی ایسا پہلو نہیں جیسے رانا توفیق نے چھوڑا ہے۔ہر پہلو کو جان دار اور شان دار طرز تحریر و تحقیق سے طشت از بام کرنے کی مساعی کی ہے۔ہر سوانحی نکتے کو خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قاری کے لیے دل چسپی کا باعث بنتا ہے۔ان کا اسلوب نگارش سادہ مگر جامع سیاق و سباق کا مرقع ہے۔رانا توفیق مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ادبی دنیا میں ایک مثبت اضافہ کیا ہے۔

کامران اعظم سوہدروی

پیش لفظ

میں خدائے لم یزل کا شکر گزار ہوں کہ جس نے میرے قلم کو توانائی بخشی اور مجھے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کا امتی بنایا مابعد میں اپنے والدین کا احسان مند ہوں کہ جن کی وجہ سے میرا وجود ہے۔ میرے والدین، اساتذہ اور میرے وہ تمام خیر خواہ جن کی نیک تمناؤں اور دعاؤں کی بدولت میں اس قابل ہوا کہ میری پہلی تحقیقی کاوش کو کتابی صورت ملی۔ ایم اے اردو کی سند کے حصول کے لیے یہ تحقیق استاذ محترم ڈاکٹر یوسف میر کی زیر نگرانی ۲۰۱۸ء میں مکمل کی جو کہ معمولی کاٹ چھانٹ کے بعد اشاعت پذیر ہوئی۔ اس تحقیقی کام کو کتابی صورت میں طبع کرنے کی تحریک میرے استاذِ محترم فرہاد احمد فگار سمیت کئی احباب نے کی جس پر میں ان کا ممنون احسان ہوں۔

اکرم سہیل عصر حاضر کے کہانی نویس، شاعر، دانش ور اور ممتاز کالم نگار ہیں۔ ان کی شاعری میں حب رسول ﷺ، حب وطن، بے باکی اور عصر حاضر کے مختلف التنوع موضوعات شامل ہیں۔ گویا ان کے شعری مضامین دل چسپی سے خالی نہیں ہوتے۔ اسی لیے اکرم سہیل کی شخصیت و شاعری کو قارئین کے ذوق کے لیے منظر عام پر لایا گیا ہے۔

میری یہ تحقیق چوں کہ سند کے حصول کے لیے تھی اور ایک طالب علمانہ کوشش ہے اس لیے اس میں گونا گوں مسائل اور اغلاط کا ہونا بھی امر لازم ہے۔ میں اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے ان اغلاط کے لیے قارئین سے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔ میری اس تحقیق کو شاید کبھی بھی کتابی شکل میسر نہ آتی اگر میرے محترم اکرم سہیل کی معاونت اور استاد محترم فرہاد احمد فگار کا ساتھ حاصل

نہ ہوتا۔ کتاب کے لیے اپنے قیمتی الفاظ سے نوازنے پر مغربی بنگال بھارت سے معروف شاعر و ادیب عنبر شمیم صاحب کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں۔ میرے عزیز دوست شہزاد گل اعوان کی محبتیں جو ایم۔اے کے عرصے سے اب تک میرے ساتھ ہیں ،ان کا بدلہ چکانا میرے بس میں نہیں تاہم شکریے کی روایت کو نبھاتے ہوئے ان کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں۔ کتاب کی اشاعت کے حوالے سے روہی بکس اور محترم اکرم عارفیؔ بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں۔ شوکت اقبال صاحب کا،کامران اعظم سوہدرور صاحب اور فرہاد احمد فگار صاحب کا میں بار دگر جملہ احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کی محبتیں میرا سرمایۂ حیات ہیں۔

رانا توفیق صدیقی

ایم۔فل (اردو)

باب اول:

اکرم سہیل حالاتِ زیست

خاندانی پس منظر:

اکرم سہیل آزاد کشمیر کے ضلع کوٹلی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکرم سہیل سابق بیوروکریٹ ہونے کے ساتھ ساتھ بہ یک وقت شاعر، ادیب، دانش ور، کالم نگاراور کہانی نویس ہیں۔ ان کے اجداد مقبوضہ کشمیر کے علاقے مینڈر پونچھ سے ہجرت کر کے کوٹلی شہر میں آباد ہوئے۔ ان کے اجداد سماجی سرگرمیوں میں پیش پیش ہوتے تھے۔ اکرم سہیل کے والد محترم صوفی محمد دین اپنے دور کے سرگرم سیاسی وسماجی اور درد دل رکھنے والی شخصیت تھی۔ اپنے دور کی منفرد اور ہر دل عزیز خاصیت کے مالک صوفی محمد دین کا تعلق ایک سیاسی جماعت "محاذ رائے شماری" کوٹلی سے تھا۔ نیز موصوف مذکورہ جماعت کوٹلی کے صدر بھی رہے۔ اسی وجہ سے اکرم سہیل کو غریب عوام کے دکھ درد کو سمجھنااوراس کا سدباب کرنا، خاندان کی طرف سے وراثت میں ملا۔ اکرم سہیل اپنے خاندان کے متعلق بتاتے ہیں کہ:

> "میرے اجداد مینڈر پونچھ سے ہجرت کر کے کوٹلی شہر میں آباد ہوئے۔ والد گرامی اپنے زمانے کے بڑے سرگرم سیاسی و سماجی کارکن تھے۔ میرے والد کشمیر کی ایک سیاسی جماعت "محاذ رائے شماری" کوٹلی کے صدر کے عہدے پر بھی فائز رہے"[1]

ولادت، تعلیم و تربیت:

اکرم سہیل نے آزاد کشمیر کے ضلع کوٹلی میں جون ۱۹۵۵ء میں آنکھ کھولی۔ کوٹلی شہر میں ہی اپنا بچپن اور لڑکپن گزارنے کے بعد بہ غرض ملازمت ۱۹۹۲ء سے تا حال آزاد کشمیر کے دار لحکومت مظفر آباد میں رہائش پذیر ہیں۔ اکرم سہیل نے ابتدائی تربیت والدین کے زیرِ سایہ حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے گورنمنٹ پرائمری اسکول کوٹلی سے حاصل کی۔ آپ ابتدا ہی سے ایک ذمہ دار اور ذہین طالب علم واقع ہوئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے مڈل، میٹرک اور ایف ایس سی کا امتحان کوٹلی کے تعلیمی اداروں سے پاس کیا۔ اپنی تعلیم کے دوران میں ہمیشہ نمایاں رہے۔ ایف اے کے بعد آپ نے گورنمنٹ ڈگری کالج کوٹلی میں گریجویشن میں داخلہ لیا۔ جہاں کی تعلیمی فضا آپ کو بہت راس آئی ۔ آپ کی شخصیت اس تعلیمی فضا میں اور بھی نکھرتی چلی گئی۔

کالج کے اس دور سے ہی آپ کی شخصیت میں مزاحمتی رویہ پیدا ہو گیا۔ اس کی وجہ اُس دور میں ملکی سطح پر رونما ہونے والے حالات و واقعات تھے۔ جب پاکستان میں بھٹو کی نظریاتی سیاست کا ڈنکا بج رہا تھا یوں آپ کی شخصیت بھٹو کی نظریاتی سیاست سے بہت متاثر ہوئی۔ ملک گیر آمریت کے خلاف اٹھنے والی آواز میں ضلع کوٹلی کے نوجوانوں کی پکار بھی شامل تھی۔ کوٹلی میں بھی بائیں بازو کی سیاست کے اثرات براہ راست پڑ رہے تھے۔ اکرم سہیل اس وقت کالج کی طلبہ تنظیم PSF میں سرگرم عمل تھے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> "یہ ۱۹۶۸ء کا سال تھا اور میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔
> جب کوٹلی میں ایوبی آمریت کے خلاف نکلنے والے جلوسوں کے
> دوران میں بلند ہونے والے نعروں میں پہلی بار اپنی آواز ملانے

کا موقع ملا۔ گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دو، جب تک
لٹیرے، میرے وطن کو گھیرے ہیں، اپنی جنگ رہے گی۔ جیسے
نعرے اور ترانے بچپن سے ہی کانوں میں گونجتے رہے اور ذہن
میں اپنا مقام بنا چکے تھے۔ جب کالج پہنچا تو یہ وہ زمانہ تھا جب
دائیں اور بائیں بازو کی سیاست زوروں پر تھی۔ نظریاتی بحثیں
نوجوانوں کا خاص اتھیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کی نظریاتی سیاست
سے متاثر ہوا" (۲)

اکرم سہیل نے ابتدا سے ہی حق کے سامنے ڈٹ جانے کی عادت اپنالی تھی۔اس لیے آپ ہمیشہ مظلوم طبقے کے ساتھ اور ظالم کے خلاف مسلسل بر سرپیکار رہے۔

تعلیمی دور میں ہم نصابی سر گرمیاں:

ڈگری کالج کا تعلیمی ماحول آپ کے لیے بہت سود مند ثابت ہوا۔ اسی دور میں آپ کو بہترین مقرر بننے کا موقع ملا۔اس دور میں آپ بڑھ چڑھ کر کالج کی ہم نصابی سر گرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ آپ مختلف نوعیت کے بین الاضلاعی و بین الاسکولز و کالجز مقابلوں اور مباحثوں میں حصہ لیتے رہے اور بہت سے انعام اپنے نام کیے۔اس حوالے سے اکرم سہیل نے راقم الحروف کو بتایا:"اس دور میں مِیں بیسٹ ڈبیٹر (Best Debater) رہاہوں" (۳) تقریر کا یہی ملکہ ان کی آج کل کی تقریری اظہارِ خیال میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

اس وقت کالج میں ادبی سر گرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ آپ ادبی سر گرمیوں میں پیش پیش رہتے۔ گویا ادب سے گہرا شغف ہونے کے باعث آپ کو کالج کی "بزم اد" کا صدر بنا دیا گیا۔ اس سے آپ کی صلاحیتیں مزید نکھر گئیں۔ آپ کی نگرانی میں بزم ادب نے بہت ترقی کی۔ جو ان کی کمال ذہنیت کا بین ثبوت ہے۔ دورانِ انٹرویو اکرم سہیل نے بتایا کہ "کالج کے دوران میں میں بزمِ ادب کا صدر رہا" (۴) اس سے عہد طالب علمی میں ان کا ادبی شغف واضح ہوتا ہے۔

اساتذائے کرام:

اکرم سہیل نے اپنے دور کے معروف اور کہنہ مشق اساتذہ سے اکتساب علم حاصل کیا۔ ان ہی اساتذہ کے فیض کا رنگ ان کی شخصیت پر نکھر کر آج بھی نظر آرہا ہے۔ گویا اکرم سہیل کا حق کی حمایت میں باطل قوتوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہنا اساتذہ کی تربیت کا ثمر ہے۔ ان کے اساتذہ کی تربیت کا کمال ہے کہ اکرم سہیل آج بھی میرٹ کی بالا دستی کی بات کرتے ہیں۔ ایک اعلا اور شریف النفس بیوروکریٹ بننے میں ان کے اساتذہ کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ ان کے اساتذہ میں مشہور و معروف ادیب پروفیسر اکرم طاہر، پروفیسر راجا مشتاق خان، پروفیسر رفیق بھٹی جیسے نام شامل ہیں۔ اکرم سہیل کے بہ قول: "کوٹلی کالج کے اساتذہ میں پروفیسر اکرم طاہر، پروفیسر راجا مشتاق خان، پروفیسر چودھری محمد یوسف، پروفیسر رفیق بھٹی، پروفیسر خان زمان مرزا، پروفیسر شریف تبسم مینائی، پروفیسر عبدالقیوم قریشی، پروفیسر سرور ملک، پروفیسر ملک افضل اور پروفیسر ملک داد قابل لحاظ ہیں" (۵)

اکرم سہیل کے ان نام وَر اساتذہ نے ان کی شخصیت نکھارنے میں وقیع کردار ادا کیا ہے۔

ابتدائی زندگی کے تجربات:

اکرم سہیل نے ابتدائی زندگی کے ایام اپنے آبائی شہر کوٹلی میں بسر کیے۔ آپ بچپن میں دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ کھیتی باڑی سے منسلک رہے۔ کھیتوں میں ہل چلانے کے علاوہ گھاس کاٹنے کا شغل بھی جاری رہایوں ابتدا سے ہی محنت شاقہ آپ کی سرشت میں شامل ہو گئی۔ زندگی کے اس حصے میں مٹی سے وابستگی نے آپ کے احساسات کو جلا بخشا۔ آپ کی شخصیت میں خودداری کا وصف اسی تربیت اور محنت سے پیدا ہوا۔ اکرم سہیل کے بہ قول:"

> "خودداری اور کلمہ حق بلند کرنے کی تربیت ملی۔ کھیتوں میں ہل چلانے، گوڈی کرنے اور گھاس کاٹنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ آج کی نسل کیا جانے کہ جون، جولائی میں تپتی مٹی پر پہلی بارش کے بعد ہل چلانے سے مٹی سے نکلنے والی مہک کیا پیغام دیتی ہے"[۲]

اکرم سہیل نے گریجویشن کی سطح تک تعلیم آبائی شہر کوٹلی سے حاصل کی۔ مابعد اعلا تعلیم کے حصول کے لیے پنجاب کی جانب رخت سفر باندھا۔ یہ جنرل ضیاالحق کی آمریت کا دور تھا جب آپ نے پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ جہاں پر آپ کو نام ور اساتذہ سے فیض علم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ پنجاب یونی ورسٹی میں اکرم سہیل کے اساتذہ میں بلند مرتبہ شخصیات شامل ہیں۔ منہاج القرآن کے سربراہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے علاوہ پاکستان کے سابق چیئرمین سینٹ جناب وسیم سجاداور عابد حسن منٹو ایڈووکیٹ

جیسے قابل ترین لوگوں سے اکتساب علم حاصل کیا۔ جن کے بارے میں اکرم سہیل نے بتایا:

"میرے پنجاب یونی ورسٹی کے نام ور اساتذہ میں علامہ طاہر القادری، سابق چیئر مین سینٹ وسیم سجاد، عابد منٹو ایڈووکیٹ، پروفیسر اقبال موکل، پروفیسر شیخ امتیاز، جسٹس خلیل رمدے قابل ذکر ہیں" (۷)

اکرم سہیل کے پنجاب یونی ورسٹی کے ہم جماعت دوستوں میں سابق چیف جسٹس آف سپریم کورٹ پاکستان جسٹس ثاقب نثار اور عدالت العالیہ آزاد کشمیر کے سابق چیف جسٹس و چیف الیکشن کمشنر جسٹس غلام مصطفیٰ مغل قابل ذکر ہیں۔

پنجاب کے دل لاہور میں قیام کے دوران میں آپ نے بہت کچھ سیکھا۔ لاہور میں تقریباً آپ چار برس قیام پذیر رہے۔ اس عرصے میں آپ نے لاہور کی ادبی و سیاسی فضا سے بھرپور استفادہ کیا۔ مختلف ادبی و سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ پنجاب یونی ورسٹی میں تعلیم کے دوران میں مذہبی مفکرین کے تصورات سے گہرے متاثر ہوئے۔ چوں کہ اکرم سہیل کو شروع سے ہی کتب بینی سے گہری دل چسپی تھی اس لیے پنجاب یونی ورسٹی کی لائبریری اور انار کلی بازار، لاہور کے فٹ پاتھوں پر پڑی پرانی کتابوں کی ورق گردانی جاری رکھی۔ اس وقت مذہبی مفکرین کے علاوہ مفکر و مصور پاکستان کے تصورات سے بھی متاثر ہوئے۔ اکرم سہیل کے مطابق:

''پنجاب یونی ورسٹی میں تعلیم کے دوران میں انار کلی بازار، لاہور
کے فٹ پاتھوں پر پڑی پرانی کتابوں کی ورق گردانی سے حضرت
ابوذر غفاریؓ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، امام انقلاب مولانا عبیداللہ
سندھیؒ اور دوسرے روشن خیال مذہبی مفکرین کے تصورات
سے آشنائی بھی ہوئی''(۸)

متذکرہ مفکرین کے نظریات کی گہری چھاپ ان کی گفت گو اور شاعری میں نظر آتی ہے۔

سیاسی زندگی:

اکرم سہیل زمانہ طالب علمی سے ہی استحصالی طبقات کے خلاف آواز بلند کرنے والوں میں سے ہیں۔ ضیاء الحق کی آمریت کے خلاف ہونے والی ملک گیر ہڑتالوں میں آپ نے بھی آواز ملائی۔ جب ۱۹۷۸ء میں ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تو دفعہ ۱۴۴ ض۔ف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جلوس نکالا، جس کی پاداش میں اکرم سہیل کو اپنے آبائی علاقے کوٹلی کے حوالات میں قید و بند رکھا گیا۔ یہ قید و بند آپ کے مزاحمتی رویے کو مزید مستحکم کرنے کا باعث بنا۔ اس بارے میں وہ یوں لکھتے ہیں: ''اپنے آبائی شہر کی جیل اور تھانہ کھوئی رٹہ کی حوالات میں بھی رہنا پڑا۔''(۹) اس سے اکرم سہیل کی ذات میں ابتدا سے ہی مزاحمانہ رویے کی نشان دہی ہوتی ہے۔

عملی زندگی :

اکرم سہیل نے ۱۹۸۰ء میں اپنی عملی زندگی کا آغاز اپنے آبائی شہر کوٹلی سے بہ حیثیت وکیل کیا۔ کوٹلی کی ضلعی عدالتوں میں تین برس تک وکالت سے

وابستہ رہے۔ وکالت کے بعد ۱۹۸۳ء میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے بہ طور اسسٹنٹ کمشنر باقاعدہ سروس کا آغاز کیا۔ پاکستان کے مشہور کالم نگار شاہ نواز بٹ یوں رقم طراز ہیں:

"کوٹلی کی گلیوں میں کھیل کود کر بڑا ہو کر اپنے علم کی پیاس بجھانے کی غرض سے شہر شہر پھرنے والا یہ انقلابی اور کتابی بنجارہ جس نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اسسٹنٹ کمشنر کی ملازمت سے شروع کیا، لیکن ساری زندگی اپنے نظریات کے طلسم سے باہر نہ نکل سکا" (۱۰)

اسی بنا پر آپ نے عملی زندگی میں ہمیشہ میرٹ اور حق کی حمایت کی۔ ظالم کے ظلم کے خلاف تحریری و تقریری طور پر محاذ آرا رہے۔

اکرم سہیل شریف النفس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے بیوروکریٹ بھی ثابت ہوئے۔ اسسٹنٹ کمشنر کے بعد ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر ترقی یاب ہوئے۔ آزاد کشمیر کے تین اضلاع مظفر آباد، پونچھ اور کوٹلی کے ڈپٹی کمشنر کے عہدوں پر متمکن رہے جو آج بھی آزاد کشمیر میں اعلا بیوروکریٹ کی مثال ہیں۔ وہ مختلف محکموں میں قریباً پندرہ برس تک سیکرٹری کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ان محکموں میں تعلیم، تعمیرات عامہ اور برقیات سرفہرست ہیں، جہاں انھوں نے محکمانہ اصلاحات اور بدعنوانی کے خلاف لازوال خدمات سرانجام دیں۔ ایڈیشنل چیف سیکرٹری آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر کے عہدے پر کچھ عرصے تک خدمات سرانجام دیں۔ حکومت میں ہوتے ہوئے حکمرانوں پر

تنقید کرنا کوئی آسان کام نہیں لیکن اکرم سہیل بہ حیثیت بیوروکریٹ حکومت پر تنقید کے نشتر برساتے رہے۔ مشہور صحافی جبار مرزا کے بہ قول:

"حکومت میں ہوتے ہوئے حکومت پر تنقید کرنا ان ہی کے حصے میں آیا ہے۔ وہ سیکرٹری تعلیم و برقیات بھی رہے ہیں۔ تین اضلاع میں ڈپٹی کمشنر بھی رہے۔ میں نے پوچھا جو کچھ آپ لکھ رہے ہیں حکومت ناراض ہو جائے گی ۔اس پر انھوں نے کہا :اللہ تو راضی ہو گا"(۱۱)

پندرہ سال مختلف محکموں کے سیکرٹری رہنے کے علاوہ پانچ سال تک سابق وزیر اعظم سردار سکندر حیات خان کے پرنسپل سیکرٹری بھی رہے اور کچھ عرصہ سابق وزیر اعظم سردار عتیق احمد خان کے ساتھ بھی یہ فرائض سرانجام دیے۔ علاوہ ازیں سابق وزرائے اعظم سردار عتیق احمد خان اور راجا ممتاز حسین راٹھور کے ساتھ ڈپٹی سیکرٹری بھی رہے۔ جواد جعفری کے بہ قول:

"اکرم سہیل صاحب نے طویل عرصہ تک سردار سکندر حیات خان کے پرنسپل سیکرٹری کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں" (۱۲)

ملازمت سے سبک دوشی کے بعد آزاد کشمیر پبلک سروس کمیشن میں بہ طور رُکن خدمات سرانجام دیں جس عرصے میں آپ یہاں رہے یہ پبلک سروس کمیشن کے سنہری دور میں شمار ہوتا ہے۔

ازدواجی زندگی:

اکرم سہیل کی شادی ۱۹۸۷ء میں ہوئی۔ آپ کی شریک حیات کا تعلق ضلع راولاکوٹ سے ہے۔ آپ کی اولاد میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ دوران انٹرویو اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں یوں بتایا: "خانگی زندگی نہایت سکون و اطمینان سے بسر ہو رہی ہے۔ الحمدللہ دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔"(۱۳)

ادبی خدمات:

اکرم سہیل دوران تعلیم سے ہی ادبی خدمات میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ زمانہ طالب علمی سے آپ سیاسی و سماجی موضوعات پر کالم اور مضامین لکھتے رہے جو روزنامہ جنگ، نوائے وقت، نئی بات، خبریں، کشمیر لنک، صدائے چنار، پاکستان، طاقت، اوصاف، جموں و کشمیر و دیگر اخبارات کی زینت بنتے رہے ہیں۔ اکرم سہیل کے کالموں کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ منتخب کالموں اور مضامین کا مجموعہ "شعور عصر" کے نام سے جنوری ۲۰۲۱ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔ اکرم سہیل اس متعلق یوں بتاتے ہیں:

> "میرے مضامین و کالمز روزنامہ جنگ، صدائے چنار، خبریں، نئی بات، نوائے وقت، جموں و کشمیر، کشمیر لنک وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔"(۱۴)

ان اخبارات میں حالاتِ حاضرہ پر قطعات کی صورت میں شاعری بھی شائع ہوتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اکرم سہیل کا کلام و مضامین ادبی مجلات جن میں دومیل، تہذیب رہبر، زون، ارقم، سروش وغیرہ میں چھپتے رہتے ہیں۔

اکرم سہیل نے کوٹلی سے شائع ہونے والے ادبی میگزین "نوید سحر" کے ایڈیٹر کے طور پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا بھی منوایا۔ علاوہ ازیں سابق وزیر اعظم سردار سکندر حیات خان کے دور کے احکامات کو یک جا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا ہے جو "قانون کی حکمرانی" کے نام سے منصہ شہود پر آئی۔

اکرم سہیل نے نثر میں قریباً تین ماہ سے باقاعدگی کے ساتھ ایک کہانی لکھنا شروع کر رکھی ہے۔ جو "اکیسویں صدی کی کہانیاں" کے نام سے روزنامہ طاقت، روزنامہ شمال، روزنامہ دھرتی، روزنامہ کشمیر لنک میں روزانہ کی بنیاد پر اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔

اکرم سہیل ریاست بھر کے طول و عرض میں ہونے والے مشاعروں اور ادبی کانفرنسوں کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ آزاد کشمیر ریڈیو اور ٹیلی ویژن جس میں روز ٹی وی و پی ٹی وی آزاد کشمیر پر ہونے والے مشاعرے اور ادبی و فکری پروگرام آپ کی بے باک شخصیت کی بنا پر نکھرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ پاکستان آرٹس کونسل اور الحمرا ہال لاہور میں سالانہ ادبی کانفرنسز میں بھی باقاعدگی سے شریک ہوتے اور وہاں پر مختلف موضوعات پر اظہار خیال بھی کرتے ہیں۔

شاعری کی ابتدا:

شاعری سے اکرم سہیل کو زمانہ طالب علمی سے دل چسپی ہوئی۔ ایک زمانہ تھا کوٹلی کی فضا شعر و ادب سے شب و روز مہکتی تھی۔ ان کے ہاں ادبی ذوق نے اسی دور سے جنم لیا۔ جو تا حال اپنی تاب ناکی ساتھ جھلک رہا ہے۔ اکرم سہیل کے بہ قول:

"زمانہ طالب علمی سے ہی شعر و شاعری سے لگن رہی مگر شاعری
کا با قاعدہ آغاز ۲۰۰۵ء میں کیا۔ "سری نگر بس سروس" پہلی
نظم ہے جو ۷/اپریل ۲۰۰۵ء کو لکھی۔"(۱۵)

اکرم سہیل کی شاعری کا ضخیم مجموعہ "نئے اجالے ہیں خواب میرے" کے نام سے ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا۔ جس کو ادبی حلقوں میں بے حد پذیرائی ملی۔ آپ کی شاعری زندگی کی علامت اور حقیقت سے عبارت ہے۔ فرہاد احمد فگارؔ کے بہ قول:

"اس وقت پبلک سروس کمیشن میں آزاد کشمیر کے ممبر کی حیثیت سے
خدمات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ ادب کے لیے بھی بھرپور
خدمات جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ۲۰۱۶ء میں اولین شعری مجموعہ "نئے
اجالے ہیں خواب میرے" کے نام سے شائع ہو چکا ہے"(۱۶)

مطبوعہ کلام کے علاوہ اچھا خاصا غیر مطبوعہ کلام بھی موجود ہے۔ شاعری میں اکرم سہیل فیض احمد فیضؔ، احمد فرازؔ اور حبیب جالبؔ سے بے حد متاثر ہیں۔ متذکرہ اساتذائے سخن کی طرح اکرم سہیل کی شاعری میں بھی مزاحمت کی گھن گرج نظر آتی ہے۔ اکرم سہیل کے بہ قول: "شاعری میں فیضؔ، فرازؔ اور حبیب جالبؔ سے متاثر ہوا۔"(۱۷) یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں لحہ تحریر تک یہ مشقِ سخن جاری و ساری ہے۔

اعزازات:

اکرم سہیل کو حکومت آزاد کشمیر کی جانب سے علمی و ادبی خدمات کے عوض ۲۰۰۸ء میں "کشمیر ادبی ایوارڈ" سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ آپ مختلف

تقریری مباحثوں اور مقابلوں میں بہترین کارکردگی کی بنا پر اور مختلف سرکاری محکموں میں بہترین خدمات کے بدلے متعدد تعریفی اسناد اور شیلڈز بھی اپنے نام کر چکے ہیں۔

شخصیت:

اکرم سہیل ایک بے باک شخص ہیں۔ ان کی شخصیت میں ملنساری، انسانیت سے پیار والفت کے جذبات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ آپ کا مشفقانہ رویہ ہر ملنے والے انسان کو متاثر کرتا ہے۔ اکرم سہیل سے مل کر اندازہ ہوتا ہے کہ غرور و تکبر ان کے پاس سے نہیں گزرا۔

بے باکی ان کی شخصیت کا خاصا ہے۔ بیوروکریسی میں رہتے ہوئے بیوروکریسی پر برملا تنقید کرنا ان کے ہی حصے میں آیا۔ اکرم سہیل کی شخصیت کئی حوالوں سے اہمیت رکھتی ہے۔ آپ ایک انسان دوست شخص ہیں۔ ان کے نزدیک سلامتی اور انسانیت ہی سب سے بڑا مشترکہ مذہب ہے، اسلام کا ایک بڑا پیغام احترامِ انسانیت ہے۔

ایمان داری اکرم سہیل کی شخصیت کا سب سے بڑا وصف ہے۔ انھوں نے کئی اعلا عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود ایمان داری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیا۔ عوام کے حقوق کے لیے پوری ایمان داری اور بے باکی سے ڈٹ جانا آپ کا وتیرہ رہا۔ اکرم سہیل کی ایمان داری اور بے باکی کے حوالے سے شاہ نواز بٹ لکھتے ہیں:

> "آپ نے بہ حیثیت سیکرٹری کالجز اس وقت کے وزیراعظم کے
> ایک چہیتے بیٹے کے لیے بیرون ملک غیر قانونی طور پر مانگی جانے

والی کروڑوں روپوں کی اسکالر شپ نہیں دی تھی اور ڈٹ گئے
تھے جس پر آپ کو حکومت کی شدید ناراضی بھی برداشت کرنا
پڑی تھی"(۱۸)

اکرم سہیل ایک خوش اُسلوب شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی بے داغ بیوروکریسی کی گواہی متعدد احباب فکرو دانش دیتے ہیں۔ اردو کے معروف شاعر ناصر زیدی نے اکرم سہیل کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کیا۔

"جناب اکرم سہیل سے میں ان کے کلام کے وسیلے سے متعارف
ہوا۔ کلام حرف حرف، لفظ لفظ، مصرع بہ مصرع پڑھ کر یوں لگا
کہ اکرم سہیل صاحب نے متعدد کلاسیکی شعرا کے ساتھ اقبالؔ،
ن۔م راشد، فیض احمد فیضؔ ساحر لدھیانوی، مجید امجد اور مصطفےٰ
زیدی کی نظمیہ شاعری کو خوب پڑھا اور پھر حرزِ جاں بنایا۔
انھوں نے جو کچھ لکھا سوچ سمجھ کر لکھا۔ اساتذہ سخن سے انھوں
نے کہے ان کہے طور پر کسبِ فیض پایا اور اپنی راہ بنانے کی شدید
شعوری کوشش کی۔ خیال اپنا اُسلوب ملا جلا، موضوع آس پاس،
گردو پیش پھیلا ہوا، ذہن رسا، انسان دوست، غریب نواز، دلِ
درد مند رکھنے والا شاعر، لفظوں کی بنت، مصرعوں کی جڑت اور
اپنے انداز میں اپنی بات کہنے والا ترقی پسند، روشن خیال شاعر،
اکرم سہیل کی صورت میں، مجموعہ کلام بدستِ محفل علم
وعرفان کا رُکن بنا ہے۔"(۱۹)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اکرم سہیل بیوروکریسی میں رہتے ہوئے بھی علم وادب کی جس مہارت کے ساتھ شمع جلائے رکھی جس سے ان کی ہمہ جہت شخصیت کا پتا چلتا ہے۔

اکرم سہیل دوستوں کی نظر میں:

اکرم سہیل شریف النفس بیوروکریٹ اور عام لوگوں میں ہر دل عزیز شخصیت کے مالک ہیں۔ ایک نفیس انسان بھی ہیں۔ ان کی شخصیت و کردار کے حوالے سے جب ان کے دوستوں سے رائے لی گئی تو ہر ایک نے اپنے جذبات کا اظہار مختلف الفاظ و انداز میں کیا۔ شوکت اقبال، اکرم سہیل کی شخصیت کے حوالے سے بتاتے ہیں:

> "بہ حیثیت انسان اکرم سہیل ملنسار، بااخلاق، بامروت آدمی ہیں۔ بااصول بیوروکریٹ کے طور پر انھوں نے اپنی خدمات سرانجام دی ہیں۔ اکرم سہیل کو اپنے اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے دوران ملازمت کئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مشکلات کو خاطر میں نہیں لایااور اپنے اصولوں کو عزیز تر رکھا۔ عام روایت سے ہٹ کر انھوں نے جائز ذرائع سے اپنے اصولوں کو وتیرہ بنائے رکھا۔ دولت و منصب اور جائیداد کی ہوس ولالچ کو انھوں نے اپنے قریب بھی آنے نہیں دیا۔ اپنے اصولوں کی پاس داری کی وجہ سے ارباب اختیار کی نظروں میں ہمیشہ کانٹے کی طرح چبتے رہے۔اکرم سہیل ایک نہایت نفیس انسان ہیں۔ان کے ہاں مزاحمت اور انقلاب کا گہرا رنگ جھلکتا ہے۔ ان کی شاعری کا اہم موضوع مزاحمت ہے۔ وہ انسانیت کی

قدروں کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک معاشی
مساوات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان کی شاعری کو دیکھا
جائے تو بائیں بازوں کی مزاحمتی شاعری اور حقیقت پر مبنی
شاعری ظاہر ہو رہی ہے۔ مزاحمتی پہلوؤں کو انھوں نے اپنی
شاعری میں خوب وا کیا ہے۔ معاشی عدم مساوات، چھوٹے
بڑے کا تصور، وسائل کے غیر مساوایانہ تقسیم جیسے موضوعات
پر ان کا قلم خوب چلا ہے۔ وطن پرستی اکرم سہیل کی شاعری کا
ایک اور اہم موضوع ہے۔ غلامی کی تاریک رات پر بھی ان کا
دل کڑھتا ہے۔ ان کے قلم سے آزادی کے جذبات پھوٹتے
ہیں۔"(۲۰)

احمد حسین مجاہد پاکستان کے ادبی حلقوں میں منفرد پہچان رکھتے ہیں۔
اکرم سہیل کی شخصیت کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

"اکرم سہیل ایک نفیس طبیعت و شخصیت کے مالک ہیں۔ علم و
ادب سے محبت رکھنے والے انسان ہیں۔ اکرم سہیل سے کئی
مشاعروں میں ملاقات ہو چکی ہے۔ ان کو نہایت شائستہ،
سلجھا ہوا، اور نفیس شخص پایا ہے۔ ان کی شاعری میں انقلابی اور
مزاحمتی پہلو موجود ہیں گویا ان کی شاعری انقلابی و مزاحمتی
نوعیت کی معلوم ہوتی ہے۔ اپنے گرد و نواح اور معاشرے پر بڑی
گہری نظر رکھتے ہیں۔ اپنے ماحول پر بھی عمیق نظر جمائے رکھتے
ہیں۔ ان کی شاعری بیوروکریسی کی اجارہ داری کو بے نقاب کرتی
ہے۔ کشمیر سے والہانہ محبت کا منہ بولتا ثبوت ان کی شاعری کا

حصہ ہے۔ اپنی دھرتی ماں کی غلامی کی کیفیت کو درد دل سے
عیاں کرتے ہیں‘‘(۲۱)

فرہاد احمد فگارؔ اپنی پہلی ملاقات اور اکرم سہیل کی شخصیت کے متعلق اپنے تاثرات یوں بتاتے ہیں:

’’اکرم سہیل صاحب سے میری ملاقات غالباً پانچ چھے سال پہلے جناب شوکت اقبال کے توسط سے ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں ان کا مشفقانہ پن واہو گیا۔ ان کی شخصیت بلاشبہ اور بلا مبالغہ ایک بڑی شخصیت ہے۔ اکرم سہیل ایک بیوروکریٹ ہیں لیکن ان کی زندگی بالکل بے داغ رہی۔ حکومت میں رہ کر بھی حکومتی نااہلیوں پر بات کرنا،ان کے کھرے پن کی واضح دلیل ہے۔ اخباری کالمز کے ذریعے بھی وہ مسائل کو اجاگر کرتے رہتے ہیں۔ جہاں کہیں ناانصافی اور بربریت پر نظر پڑتی ہے ان کا قلم خوب چلتا ہے۔ اکرم سہیل ایک دردمند دل رکھنے والے ایسے تخلیق کار ہیں جن کے قلم سے ہمیشہ سچ نکلتا ہے۔ وہ سچ بولتے، سچ لکھتے اور سچ ہی کو پسند کرتے ہیں۔‘‘ (۲۲)

اکرم سہیل سے جاوید الحسن جاوید کی رفاقت قریباً اٹھارہ انیس برس سے ہے آپ سے جب اکرم سہیل کی بابت بات کی گئی تو انھوں نے تاثرات کچھ یوں رقم کروائے:

’’اکرم سہیل بڑے شریف النفس اور انسان دوست شخص ہیں۔ انھوں نے صاف ستھری سرکاری ملازمت کی ہے۔ ہمیشہ انھوں نے اصول اور ضابطے کی پاس داری کی ہے۔ دوران ملازمت بھی

شاعری کرتے رہے لیکن ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد
انھوں نے مکمل طور پر کالم نگاری اور شاعری کو شعار بنایا ہے۔
مسلسل اشعار بھی لکھ رہے ہیں، نظمیں بھی تخلیق کر رہے ہیں
اور کالم بھی لکھ رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے کالمز میں بھی اور
اشعار میں بھی عصر حاضر کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ وہ
شاعری میں اپنے پیغام و فکر پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ ان کی
شاعری میں کشمیر، کشمیریوں کے حقوق کا حوالہ بڑا معتبر ہے۔
شاید وہ اپنی سرکاری مصروفیت کی بنا پر شاعری کے فن پر زیادہ
توجہ نہیں دے سکے۔ اگر وہ کسی اور پیشے سے منسلک ہوتے جیسے
تعلیم کا پیشہ، غالباً ان کے سخن میں زیادہ نکھار ہوتا۔ لیکن اس
کے باوجود ان کے خیالات اور ادبی کاوشوں کو وقت کا ناقد نظر
انداز نہیں کر سکے گا"(۲۳)

ابراہیم گل نے اکرم سہیل کے بارے میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں
رقم کروائے:

"اکرم سہیل نے آج تک کسی سے اصلاح نہیں لی۔ کوئی ایسی بیساکھی
نہیں جو اس نے ڈھونڈی ہو اور وہ بیساکھیوں پر چلے،اکرم سہیل
بیساکھیوں کے بغیر چلنے والا آدمی ہے۔ ذہنی طور پر اتنا امیر آدمی ہے
کہ اس کو اپنے نزدیک ترین کوئی ایسا اپنا ہم عصر دکھائی نہیں دیتا جو
اس کا مقابلہ کر پائے۔ یہ اکرم سہیل کی خوبی ہے۔ بیساکھیوں کے بغیر
چلنے سے تھوڑی سی دقت ضرور ہوتی ہے۔ یہ دقت اس لیے ہوتی ہے
کہ جب بچہ چلنا سیکھتا ہے تو لازمی بات ہے انگلی پکڑ کر چلتا ہے۔ اکرم

سہیل نے کسی کی انگلی نہیں پکڑی۔ اگر پکڑی بھی ہو گی تو اپنے ابتدائی ایام میں، کالج کے ایام میں یا اسکول کے ایام میں پکڑی ہو گی۔ لیکن اس کا اظہار میں کہیں بھی دیکھتا نہیں ہوں۔ تو اس کا اظہار ایسے بھی ہوتا کہ اس کے کلام پر اس کا اثر پڑتا ان کے کلام کی ایسی چیزیں نکھر جاتیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں بل کہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زندگی میں اصلاح لے لینا، کسی سے کوئی چیز پوچھ لینا، علمیت اور قابلیت پر باعث اضافہ ہو گا۔ جب بھی کسی اپنے بڑے سے ملو گے تو اس سے کچھ سیکھنے کی کوشش کرو گے تو سیکھ پاؤ گے۔ جب سے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہمارے برابر کا کوئی نہیں تو اس دن سے زوال شروع ہو جائے گا۔ اکرم سہیل میں یہ بات نہیں ہے۔ انھیں اپنے زوال کا کوئی خطرہ نہیں۔ اکرم سہیل اپنی ذات میں ایک ایسی انجمن ہیں جہاں پر چراغ ہی چراغ جلتے ہیں۔ اور وہ بھی فرد کے، دانش کے بلند شعور کے اور مجھے یہ بات بڑی فرحت بخش محسوس ہوتی ہے کہ میں جب اکرم سہیل کے بارے میں یہ کہوں کہ وہ اس دور کا ایک ذہین ترین آدمی ہے اور وہ اپنے افکار سے، اپنی غزلوں سے، اپنے قطعات سے، اپنی نثر سے ایک دنیا کو ایسیانسانیت بھری راہ دکھا رہا ہے جو انسان کے طور پر ہر انسان کی ضرورت ہے مگر آج کے دور کا انسان اپنی اس قابلیت سے، دانش سے، علمیت سے کیوں محروم ہو رہا ہے؟ تو یہ مادہ پرستی کا کوئی دور ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ اس میں آتے آتے ہمارے اقتصادی مسائل ہیں۔ تو اکرم سہیل نے ان ہی باتوں کو اجاگر کیا ہے کہ صاحب یہ باتیں زہر قاتل ہیں اور ان

باتوں سے اجتناب ضروری ہے۔ جب تک یہ اختیار نہیں کریں گے تو
دنیا سرفرازی نہیں ملے گی۔ دنیا کی قوموں میں اپنے اسلام کے
حوالے سے، اپنے مسلمانی کے حوالے سے کہیں اعلیٰ مقام نہیں پاسکو
گے۔ آج مسلمانوں پر جو زوال کا دور آیا ہوا ہے یہ دور بھی گزر جائے
گا۔ اگرچہ مسلمانوں کا وہ دور نہیں رہا جب مسلمانوں نے ایک دنیا پر
قبضہ کیا اور نئی دنیا کو دیکھا اور سنا۔ اگر ہم نے اپنے اسلاف کی بتائی
ہوئی ان باتوں کو جن میں زندگی ہے۔ جس میں بھلائی ہے۔ جس میں
عزت ہے، جس میں وقار ہے، اگر یہ بنیادی اصول ہم نے ازبر کر
لیے تو ہمارے عروج کا دور شروع ہو سکتا ہے۔ تو اکرم سہیل اسی
عروج کی خاطر سرگرداں ہے وہ اسی دور کو حاصل کرنے کا متمنی ہے
اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی نسل نو اس عروج کو حاصل کرے۔ اکرم
سہیل میرے عہد کا درخشندہ باب ہے۔ اس درخشندہ باب کو
صدیوں تک زندہ رہنا ہے اور یہ زندہ رہے گا۔"(۲۴)

مزید براں اکرم سہیل کی شاعری پر عطا الحق قاسمی، علامہ جواد جعفری، پروفیسر صغیر، ڈاکٹر مقصود جعفری، پروفیسر راجا مشتاق خاں، پروفیسر محمد رفیق بھٹی، خواجا عطا محی الدین، کبیر خان، پروفیسر ذوالفقار ساحر، عبدالقادر جمالی اور پروفیسر نثار ہمدانی نے بھی اپنے وقیع خیالات کا اظہار کیا ہے جن میں اکرم سہیل کی شاعری اور شخصیت کی ستائش کی گئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔مقالہ نگار کا اکرم سہیل سے انٹرویو، بہ تاریخ ۱۱ر اکتوبر ۲۰۱۷ء، بہ مقام جلال آباد، مظفر آباد، بہ وقت شام سات بجے۔

۲۔اکرم سہیل، نئے اجالوں کے خواب (پیش لفظ)، نئے اجالے ہیں خواب میرے، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص۵۔

۳۔مقالہ نگار کا اکرم سہیل سے انٹرویو، بہ تاریخ ۱۹ر ستمبر ۲۰۱۷ء، بہ مقام جلال آباد، مظفر آباد، بہ وقت شام چھے بجے۔

۴۔ایضاً۔

۵۔مقالہ نگار کا اکرم سہیل سے انٹرویو، بہ تاریخ ۱۱ر اکتوبر ۲۰۱۷ء، بہ مقام جلال آباد، مظفر آباد، بہ وقت شام سات بجے۔

۶۔اکرم سہیل، نئے اجالوں کے خواب (پیش لفظ)، نئے اجالے ہیں خواب میرے، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص۶۔

۷۔مقالہ نگار کا اکرم سہیل سے انٹرویو، بہ تاریخ ۱۱ر اکتوبر ۲۰۱۷ء، بہ مقام جلال آباد، مظفر آباد، بہ وقت شام سات بجے۔

۸۔اکرم سہیل، نئے اجالوں کے خواب (پیش لفظ)، نئے اجالے ہیں خواب میرے، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص۵۔

۹۔ایضاً، ص۶۔

۱۰۔شاہ نواز بٹ، الف۔ سین۔نامی شاعر کے نام، مشمولہ روزنامہ صدائے چنار، مظفر آباد، ۲۹ر جولائی ۲۰۱۶ء۔

۱۱۔جبار مرزا، زلزلے کیوں آتے ہیں؟ مشمولہ روزنامہ جنگ، راول پنڈی، ۲۵ر اپریل ۲۰۱۳ء، بہ روز جمعرات۔

۱۲۔ جواد جعفری، علامہ، اکرم سہیل کے خواب اور قانون کی حکمرانی، مشمولہ روزنامہ نوائے وقت، راول پنڈی، ۶۲، اکتوبر ۲۰۱۶ء۔

۱۳۔ مقالہ نگار کا اکرم سہیل سے انٹرویو، بہ تاریخ ۱۹/ ستمبر ۲۰۱۷ء، بہ مقام جلال آباد، مظفر آباد، بہ وقت شام چھے بجے۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ مقالہ نگار کا اکرم سہیل سے انٹرویو، بہ تاریخ ۱۱/ اکتوبر ۲۰۱۷ء، بہ مقام جلال آباد، مظفر آباد، بہ وقت شام سات بجے۔

۱۶۔ فرہاد احمد فگارؔ، آزاد کشمیر کے منتخب غزل گو شعرا، مقالہ برائے ایم فل اُردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء، ص ۶۲۔

۱۷۔ مقالہ نگار کا اکرم سہیل سے انٹرویو، بہ تاریخ ۱۱، اکتوبر ۲۰۱۷ء، بہ مقام جلاآباد، مظفر آباد۔

۱۸۔ شاہ نواز بٹ، الف۔ سین۔ نامی شاعر کے نام، مشمولہ روزنامہ صدائے چنار، مظفر آباد، ۹۲ جولائی ۲۰۱۶ء، بہ روز جمعۃ المبارک۔

۱۹۔ ناصر زیدی، کتابوں کی باتیں۔۔۔ نئے اجالے ہیں خواب میرے، مشمولہ روزنامہ پاکستان، ۱۲ جولائی ۲۰۱۶ء۔

۲۰۔ مقالہ نگار کا شوکت اقبال مصور سے انٹرویو، بہ تاریخ ۲۲، مارچ ۲۰۱۸، بہ مقام لوئر چھتر، مظفر آباد۔

۲۱۔ مقالہ نگار کا احمد حسین مجاہد سے انٹرویو، بہ تاریخ ۲۲ مارچ ۲۰۱۸ء، بہ مقام مظفر آباد۔

۲۲۔ مقالہ نگار کا فرہاد احمد فگار سے انٹرویو، بہ تاریخ ۲۲/ مارچ ۲۰۱۸ء، بہ مقام لوئر چھتر، مظفر آباد۔

۲۳۔ مقالہ نگار کا جاوید الحسن جاوید سے انٹرویو، ۳۰/ مارچ ۲۰۱۸ء، بہ روز جمعۃ المبارک، بہ مقام دفتر اسلامی نظریاتی کونسل چھتر مظفر آباد۔

۲۴۔ مقالہ نگار کا ابراہیم گل سے انٹرویو، بہ تاریخ یکم اپریل ۲۰۱۸ء، بہ مقام پریس کلب، مظفر آباد بروز اتوار۔

باب دوم:

اکرم سہیل کے ہم عصر شعرا کا جائزہ

آزاد کشمیر میں گو کہ اُردو ادب نے خاصی ترقی کی اور ہر طرح کا ادب تخلیق ہوا۔ لیکن ادب کی ترویج و ترقی میں دو مراکز میرپور اور مظفر آباد خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مظفر آباد آزاد کشمیر کا دارالحکومت ہونے کی توسط سے ادبی مرکز کہلاتا ہے۔ اس علاقے نے اُردو ادب کی کئی قد آور شخصیات کو جنم دیا۔ جو نہ صرف ملکی بل کہ بین الاقوامی سطح پر بھی اہم مقام رکھتے ہیں۔ مظفر آباد کا علاقہ سری نگر اور اسلام آباد سے قربت کی بنا پر یہاں ادبا کا مختلف ادبی نشستوں میں آنے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں پر ادبا و شعرا نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی۔ مثلاً، نظم، غزل، حمد، مرثیہ، ڈراما، افسانہ، ناول، رپوتاژ وغیرہ۔ مظفر آباد کے علاوہ بھی آزاد کشمیر کے تمام اضلاع میں لکھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔

اکرم سہیل کے ہم عصر شعرا میں کئی اہم نام ہیں جن میں مخلصؔ وجدانی، جاوید الحسن جاویدؔ، علامہ جوادؔ جعفری، احمد عطاءؔ اللہ، ڈاکٹر آمنہ بہار، زکریا شاذؔ، ایازؔ احمد عباسی، ناز مظفر آبادی، شہبازؔ گردیزی، واحد اعجاز میرؔ، ڈاکٹر ماجد محمود، آصف اسحاق اور فرہاد احمد فگارؔ نمایاں ہیں۔ ذیل میں اکرم سہیل کے ہم عصر شعرا کا تعارف اور ان کے کلام کی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مخلصؔ وجدانی:

مخلص وجدانی (اصل نام: چودھری محمد دین) مظفر آباد کے نواحی گاؤں گوہاڑی میں ۲۱/ مارچ ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ آزاد کشمیر کے قد آور شاعر

ڈاکٹر صابر آفاقیؔ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اُردو شاعری میں مقام پیدا کرنے کے علاوہ گوجری شاعری میں بھی بلند مقام حاصل کیا۔ یوں ان کی پہچان گوجری شاعری بنی۔ شاعری میں آپ ابر حسنی کے شاگرد ہیں۔ آپ کا مجموعہ کلام" صلیبوں کا شہر" کے نام سے منظر عام پر آ چکا ہے۔ علاوہ ازیں "نئی بہار نئے پھول" دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ گوجری زبان میں کئی شعری مجموعے آپ کی پہچان بنے۔ ڈاکٹر جمیل جالبیؔ ان کی شاعری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"آپ کی شاعری میں ذاتی تجربے، اجتماعی واردات
سے گھل مل کر ایک وحدت بن رہے ہیں اور اس
تخلیقی عمل سے ایک ایسا مکان سامنے آرہا ہے جو
منفرد بھی ہے اور مؤثر بھی۔" (۱)

مخلصؔ وجدانی نے بچوں کے لیے "پیار کے پھول" کے نام سے مجموعہ کلام تخلیق کیا جس پر آپ کو نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان کی جانب سے ادبی صلاحیتوں کے اعتراف میں "سیکنڈ پرائز" سے نوازا گیا۔ مخلصؔ وجدانی کی ادبی خدمات کے حوالے سے پروفیسر فرزانہ ناز لکھتی ہیں:

"غزلوں کا مجموعہ "صلیبوں کا شہر" کے نام سے
چھپا۔ گوجری غزل کے تین مجموعے "ریرا"،
"سانجھو کھلاڑو" اور پینگ کے نام سے شائع
ہوئے۔ "فنون" لاہور، "تخلیق" لاہور، "نیرنگ
خیال"، راول پنڈی اور "دومیل" مظفر آباد میں
ان کا کلام چھپتا رہا ہے" (۲)

مخلصؔ وجدانی نے اپنے کلام میں ایسے ایسے نئے جوہر دکھائے ہیں کہ وہ آزاد کشمیر کے شعری ادب میں ایک الگ مقام حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے اشعار میں گردوپیش کا غم، ذہن کا کرب، معذوروں کا غم والم، مجبوریوں کا ماتم جابہ جا نظر آتا ہے۔ وہ اپنے ہم وطنوں کی تکالیف و پریشانیوں سے اور ان کے دیگر مسائل سے مکمل طور پر آشنائی رکھتے ہیں۔ ان کی فکری سطح پختہ اور جدت کے قریب ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق: ’’آپ کی شاعری بہ اعتبار فکر نو اور اُسلوب تازہ گوہر نایاب ہیں۔‘‘ (۳)

مخلصؔ وجدانی کی شاعری فنی لوازمات سے پر نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں لطیف و دل کش تشبیہات و استعارات، مقامی علامات کے علاوہ نفسیاتی واقعات کا تذکرہ، اپنے علاقے سے محبت وغیرہ کا ذکر خوب ملتا ہے۔ ان کی شاعری جاذبِ نظر بھی ہے۔ فرہاد احمد فگارؔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ’’مخلصؔ وجدانی کی شاعری میں مقامی علامات واستعارات کا استعمال خوب صورتی سے کیا گیا ہے۔ بہ غور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلصؔ وجدانی کی غزل میں بے شمار نفسیاتی، واقعاتی اور وارداتی عوامل کا اجتماع ملتا ہے۔ ان کی غزل میں ان کی جنم بھومی سے محبت نظر آتی ہے۔ ان کا انداز اس قدر دل پذیر ہے کہ قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ کبھی ان کے کلام میں قاری خود کو غرق پاتا ہے اور کبھی سطح پر تیرتا ہے۔‘‘ (۴)

مخلصؔ وجدانی کے کلام سے چند اشعار بہ طور نمونہ ملاحظہ ہوں:

دکھاتا ہے جو آئینے میں صورت ہو بہ ہو مخلصؔ
مجھے ایسا کوئی آئینہ گر اچھا نہیں لگتا

کیے جاتا ہوں باتیں بے خودی میں زیر لب ان
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

جواز اب تیرے ہونے کا بھلا کیا رہ گیا مخلصؔ
پڑا رہ اپنے گھر میں فالتو سامان کی صورت

بنا کر اس نے ایٹم بم جو دیکھا تو بہت خوش تھا
کہ اس ایجاد نے دنیا میں اس کا سر ہوا اونچا

مگر جب ایک دانا نے بتایا تو وہ پچھتایا
بشر کا خوں بہانے سے مسائل حل نہیں ہوتے

آؤ سب مل کر فصیل شہر کو اونچا کریں
ہے سلامت شہر تو محفوظ اپنا گھر بھی

پیار کا موسم خشک بہت تھا یا ہم کو احساس بہت
پیاسی نظریں دیکھ رہی تھیں یارو پیر چناس بہت

سنہرے پیرہن میں رشکِ گل چلتا ہے جب مخلصؔ
دھنک سے رنگ بہتے پانیوں میں چھوڑ جاتا ہے

جاوید الحسن جاویدؔ:

جاوید الحسن جاویدؔ آزاد کشمیر کے ادبی منظر نامے کے اہم شاعر ہیں۔ ان کی ولادت آزاد کشمیر کے ضلع پلندری میں یکم جنوری ۱۹۶۹ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم

اپنے آبائی ضلع سے حاصل کی۔ بعد ازاں اصغر مال کالج راول پنڈی سے انگریزی ادبیات میں ایم اے کیا۔ جاوید الحسن جاویدؔ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بہ طور انگریزی لیکچرر کیا۔ ۱۹۹۹ء میں سول سروسز میں بہ حیثیت سیکشن افسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ جاوید الحسن جاویدؔ اس وقت سیکرٹری اسلامی نظریاتی کونسل، آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ فرزانہ ناز کے مطابق:

> "جاوید الحسن جاویدؔ ۱۹۶۹ء کو پلندری میں پیدا ہوئے۔ پلندری ڈگری کالج سے گریجویشن کرنے کے بعد ایم اے گورنمنٹ اصغر مال کالج سے کیا۔ پانچ سال انگریزی کے لیکچرار رہے۔ ۱۹۹۹ء سے سیکشن آفیسر تعینات ہوئے۔ آج کل مظفر آباد میں ڈپٹی سیکرٹری کے طور پر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔" (۵)

جاوید الحسن جاویدؔ نے جب شاعری کی ابتدا کی تو اس وقت پروفیسر عبدالعلیم صدیقی سے اصلاح سخن لی۔ اس کے بعد آپ کا قیام راول پنڈی میں رہا اس دوران میں پروفیسر یوسف حسن سے اصلاح لیتے رہے۔

جاوید الحسن جاویدؔ کا اولین شعری مجموعہ "محبت پھول کی مانند" کے نام سے ۲۰۰۴ء میں منظر عام پر آیا۔ اس کے بعد "پون" کشمیر کلچرل اکیڈمی سے شائع ہوا۔ تیسرا شعری مجموعہ "گُل و گُلزار کا موسم" اور حال ہی میں اگست ۲۰۱۷ء میں "ابھی نظمیں ادھوری ہیں" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ جب کہ نعتیہ مجموعہ "مہجور مدینہ" کے نام سے ۲۰۲۰ء میں منظر عام پر آیا۔ ابتدا میں

جاوید الحسن جاویدؔ "نشترؔ" تخلص کرتے تھے مگر جلد ہی "نشترؔ" کی بہ جائے "جاویدؔ" تخلص کرلیا۔

جاوید الحسن جاویدؔ کی شاعری کے موضوعات میں اپنے گردونواح کے موضوعات سے لے کر ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونماہونے والے واقعات بھی ان کے موضوعات کا خاصا ہیں۔ جاوید الحسن جاویدؔ کی شاعری حقیقت کی شاعری ہے۔ ان کی نظمیں "کراچی" امر واقعہ، "ڈرون حملہ" وغیرہ اس کی خوب صورت عکاس ہیں۔

جاوید الحسن جاویدؔ کی شاعری میں اپنے وطن سے محبت بھی عیاں ہے۔ وطن سے محبت ان کا خاص موضوع ہے، ان کی نظم "وطن سے گیت" کا ایک بند ملاحظہ ہو:

میری سوچوں کی تنویر میرا وطن
میرے خوابوں کی جاگیر میرا وطن
اب نہیں کوئی غم میری تقدیر میں
دشت غم میں عناں گیر میرا وطن
سرزمین وطن ہے محبت میرا وطن

اک پھول کی مانند ہے میری ارضِ وطن بھی
اب پھول کو خوش بو سے ورا کیسے کرے گی

جاوید الحسن جاویدؔ شہرت و عزت کا محور و مرکز وطن کو قرار دیتے ہیں۔ مثلاً:

سرزمین وطن ہی سے شہرت مری
سرزمین وطن ہی سے عزت مری

جاوید الحسن جاویدؔ وطن کی محبت، عشق ومحبت کی ارادت، بیان، گردونواح کے عصری موضوعات بھی عمدگی سے نظم کرتے ہیں حالات حاضرہ پر بھی ان کی نظر موجود رہتی ہے۔

پیش نظر ہے معرکہ ردالفساد کا
منہ بند ہو گیا ہے ہر اک بدنہاد کا
ہرگز نہیں ہے کوئی بھی نکتہ تفاد کا
جھونکا ہے صحن باغ میں بادِ مراد کا

جاوید الحسن جاویدؔ کی شاعری میں قطعات بھی اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ان قطعات میں متنوع واقعات وموضوعات کو نظم کر دیتے ہیں۔ کشمیر پالیسی کے متعلق ان کا خوب صورت قطعہ ملاحظہ ہو:

نعرہ لگا رہا وہ ہر دم ہری ہری
ہمسائے سے کبھی تو کرو بات تم کھری
جلسے جلوس رہ گئے کشمیر کے لیے
وہ پانچ جنوری ہو یا پانچ فروری

جاوید الحسن جاویدؔ ایک سنجیدہ گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مزاحیہ شاعری بھی کرتے ہیں۔ انھوں نے بہت سے موضوعات کو مزاح کی لڑی میں پرویا ہے۔ مزاحیہ شاعری کے حوالے سے چند اشعار:

خون پیتے ہیں وہ غریبوں کا
پھر بھی لا حق ہے ضعف ڈینگی کا

جن کو خوفِ خدا نہیں آتا
اُن کو ڈستا ہے خوف ڈینگی کا

اور مزید "حلال حرام" کے نام سے ایک قطعہ ملاحظہ ہو۔

میرے ایمان کی نہ پوچھو تم
دین پر ہیں بہت جواب سوال

جیب میں رکھ کے مال رشوت کا
ڈھونڈتا ہوں کہاں ہے گوشت حلال

ان کی شاعری سے مذہبی آہنگ کے حامل اشعار ملاحظہ ہوں:

تیری معراج ستاروں سے بھی آگے ہے کہیں
میری معراج ترا نقشِ کفِ پا آقا ﷺ

آپ ﷺ کی ذات نہ ہوتی تو اندھیرا ہوتا
آپ ﷺ کی ذات ہے احسان خدا کا آقا

ڈاکٹر سیدہ آمنہ بہار:

سیدہ آمنہ بہار آزاد کشمیر کے شعری منظر نامے میں بلند مقام رکھتی ہیں۔ آمنہ بہار کے خاندان کا تعلق مقبوضہ کشمیر سے ہے ان کے اجداد مقبوضہ

کشمیر سے ہجرت کر کے آزاد کشمیر کے ضلع نیلم میں قیام پذیر ہوئے۔ سیدہ آمنہ بہار ایک عملی وادبی گھرانے میں تولد ہوئیں۔ آمنہ بہار کو بچپن ہی سے ایک علمی وادبی فضا میں زندگی گزارنے کا موقع میسر آیا۔ سیدہ آمنہ بہار نے ابتدائی تعلیم ضلع مظفر آباد سے حاصل کی کیوں کہ ان کے والد بہ سلسلہ ملازمت مظفر آباد میں مقیم تھے۔ سٹی ہائی اسکول مظفر آباد سے میٹرک کے امتحان میں کامیاب قرار پائیں۔ اس کے بعد بہارالدین بہار کا کنبہ آمنہ بہار کے پیدائشی ضلع نیلم میں چلا گیا پھر وہیں سے انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں گریجویشن کرنے کے بعد راول پنڈی کے وقارالنسا کالج سے اُردو ادب میں ایم اے کیا۔ جب کہ ایم فل (اُردو) کی ڈگری سال ۱۹۹۴ء میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد سے حاصل کی۔

سال ۲۰۱۶ء میں سیدہ آمنہ بہار نے قرطبہ یونی ورسٹی پشاور سے ”اُردو شاعری میں کشمیر“ کے نام سے مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ آزاد کشمیر کی پہلی صاحب کتاب شاعرہ ہیں۔

آمنہ بہار خاندانی طور پر علم وادب سے شغف رکھتی ہیں۔ آمنہ بہار نے بچپن سے ہی چھوٹے چھوٹے موضوعات پر نظمیں لکھنا شروع کر دی تھیں لیکن باضابطہ شاعری کا آغاز ایف اے کے بعد کیا۔ آمنہ بہار کا پہلا شعری مجموعہ ”چناروں کی آگ“ ۱۹۸۷ء میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ آمنہ بہار کی شاعری میں سیاسی، سماجی، نفسیاتی مذہبی اور عصری عناصر، رجائیت سمیت مزاحمتی عناصر جیسے مضامین ملتے ہیں۔ آمنہ بہار کی شاعری کے حوالے سے مسرت صبوحی رقم طراز ہیں۔

"مادر وطن اور ابنائے وطن کے لیے جذبات کی شدت اسے
خوب صورت شاعرہ بنا دیتی ہے۔ رونا کی شاعری میں بہترین
وصف یہ ہے کہ وہ اپنا جذبہ کھلے لفظوں سے بیان کر دیتی ہیں
انھوں نے شاعرانہ بناوٹ سے کام نہیں لیا۔ ان کے جذبے سچے
اور نکھرے ہیں۔ اگرچہ روناآس میدان میں نووارد ہیں لیکن ان
کے اشعار میں بے ساختگی، سچائی میں چناروں کی آگ کا شعلہ
بھی ہے، کشت زعفران کی زرخیزی بھی، ڈل کا سکوت اور جہلم
کی روانی بھی ہے۔"(٦)

آمنہ بہار تخلیقی سرمائے کے اعتبار سے بہترین لب ولہجہ کی شاعرہ ہیں۔
اگرچہ آمنہ بہار نے اپنے ادبی سفر کا آغاز تو نظم سے کیا لیکن غزل ان کی شہرت
وپہچان کا باعث بنی۔ آمنہ بہار کی شاعری بہترین فنی و فکری لوازمات کی غمازی
کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں داخلیت و خارجیت کے عناصر موجزن ہیں۔ آمنہ
بہار کی شاعری سے چند اشعار بہ طور نمونہ ملاحظہ ہوں:

رستہ رستہ پھول بچھائے جاسکتے ہیں
وہ آئے تو خواب سجائے جا سکتے ہیں

یہ بھی ہے کہ زینتِ افلاک نہیں بھی ہوئی
ہر محبت خس و خاشاک نہیں بھی ہوئی

پلک پلک پہ جمی گرد غم کے صحرا کی
سفر کی شام ہے خواہش کسی مکان کی ہے

مرکز و محور حیات میں نے جسے بنا لیا!
وہ تو بس ایک باب تھا میں نے کتاب کر دیا

جن کی آزادی کی خواہش کب سے ہو گرم سفر
برف زاروں کے فرو تر سلسلوں کو چوم لوں

دور جانا زندگی کا دوسرا مفہوم ہے
پیار کرنے کی تمنا فطرتاً معصوم ہے

علامہ جوادؔ جعفری:

علامہ جوادؔ جعفری آزاد کشمیر کے اہم شاعر ہیں۔ ان کی ولادت ۴؍ جنوری ۱۹۵۶ء کو ضلع باغ میں ہوئی۔ جوادؔ جعفری کو شعر و ادب سے لگاؤ بچپن سے رہا۔ آپ اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ نثر نگار بھی ہیں۔ نثر میں چودھری غلام عباس، رومیِ کشمیر، میاں محمد بخش اور سردار عبدالقیوم خان کی شخصیت و زندگی پر تصانیف لکھنے کا اعزاز بھی ان کو حاصل ہے۔ جوادؔ جعفری ملکی سطح پر ہونے والے مشاعروں کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ شاعری میں ان کا مجموعہ کلام "احتجاج" کے نام سے ۱۹۹۴ء میں منظر عام پر آیا، جوادؔ جعفری ریڈیو آزاد کشمیر سے منسلک رہنے کے دوران میں کئی طرح کے اعزازات اپنے نام کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کشمیر کلچرل اکیڈمی کے صدر نشین رہ کر زبان و ادب کو

فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ جوادؔ جعفری نے کم سنی سے ہی شاعری شروع کر دی۔ اولین نظم "برسات کا موسم" بارہ سال کی عمر میں تخلیق کی۔

جوادؔ جعفری کو ملک کے کہنہ مشق شاعروں کی صحبت سے شعر کہنے کا موقع ملا۔ جن میں احمد ندیم قاسمیؔ، احمد فرازؔ، جوشؔ ملیح آبادی اور افتخار عارف جیسے صاحب افتخار شاعر شامل ہیں۔ ان کی شاعری میں انسانیت سے محبت، کشمیر سے محبت، اپنی وادیوں سے محبت، سبزہ زاروں سے محبت، دریاؤں، چشموں، مرغ زاروں سے محبت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ دھرتی ماں یعنی کشمیر سے ان کی انسیت و محبت اس قدر ہے کہ وہ اس دھرتی میں ہونے والے ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ عالمی دنیا کو پکار کر کہتے ہیں کہ ضمیر عالم پر کیوں سکوت طاری ہے۔ وہ اپنے مجموعہ کلام "احتجاج" کے انتخاب میں کشمیر کو گونجنے والی آواز کی ضمیر عالم کے لیے قرض قرار دیتے ہیں۔ جوادؔ جعفری اس حوالے سے اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

"ظالم چاہے اپنے ہوں یا غیر میری نظر میں دونوں انسانیت کے دشمن ہیں۔ موجودہ صدی میں جو جمہوریت اور انسانی آزادیوں کے حوالے سے تاریخ انسانی کے ماتھے کا جھومر ہے۔ کشمیر ضمیر عالم کے لیے ایک سسکتا ہوا سوال ہے۔ اس خوب صورت دھرتی پر آگ اور موت کا یہ کھیل، بکھرے ہوئے لاشے، لٹتی ہوئی عصمتیں، جلتے ہوئے گھر، بلکتے ہوئے بچے، سراپا سوال عورتیں، ریزہ ریزہ خواب اور مسخ شدہ حسرتیں مہذب دنیا سے یہ پوچھ رہی ہیں کہ کیا یہ تمھاری تہذیب کا ارتقا ہے کہ جس پر تم نازاں ہو۔

یہی انسانی ترقی ہے کہ جس پر تم فخر کر سکتے ہو؟ میں اپنے شعروں
میں اسی سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے
عہد کے اس ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔" (۷)

اس کے علاوہ ان کی شاعری میں حبِ رسول ﷺ، حبِ اہلِ بیت، خاکِ وطن، گردونواح کے سبھی موضوعات شامل ہیں۔ وہ دنیا کی زندگی کو ایک استعارہ قرار دیتے ہیں مثلاً:

زندگی ایک استعارہ ہے
اس کے معنی فقط حیات نہیں

پاکستان کی تاریخ میں ۳۲/ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد کو بے پناہ اہمیت حاصل ہے۔ جوادؔ جعفری کہتے ہیں کہ آج کے دن اقبال کے خواب کی تعبیر پاکستان قرار دیا گیا اور پاکستان کی قوم کی تاریخ میں ۲۳/ مارچ ۱۹۴۰ء کا دن سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً ان کی نظم "۲۳ مارچ" سے:

آج دیکھے خواب کی تعبیر پاکستان ہے
تھا تصور جس کو وہ تصویر پاکستان ہے

یہ دن ہی سنگ میل ہے قوم کی تاریخ میں
یعنی جوادؔ یہ ایک نور کی قندیل ہے

اور مزید مثالیں ان کے کلام سے ملاحظہ ہوں:

ساقی نہ مجھ کو چھیڑ غلام ِعلیؑ ہوں میں
جام ولائے ساقی کوثر سے مست ہوں

وادی کشمیر پر پھر آگ کی برسات ہے
خونِ مسلم بہہ رہا چاروں طرف دن رات ہے

توڑ دیں گے نعرہ تکبیر سے زنجیر اب
ہاں تمھارے خون سے لکھیں گے ہم کشمیر اب

مدینے کی آب و ہوا اللہ اللہ
محمد ﷺ کی لطف و عطا اللہ اللہ

جنت ارضی میرے کشمیر میری جان و روح
تو اگر مسکن ہے تو کم ہے اگر ہو عمر نوحؑ

ہم دست ستم توڑ کے دفنا کے رہیں گے
کشمیر فلسطین تجھے پا کے رہیں گے

یہ خاک دیس بھی اپنا ہے ماں بھی ہے اپنی
ہم اس کے بیٹے ہیں ہم اس سے پیار کرتے ہیں

آزادی کی تڑپ اس شعر میں ملاحظہ ہو:

جان کے بدلے بھی مال جائے پھر بھی سستی ہے
وہ من موہنی صورت جس کا آزادی ہے نام

زکریاشاذؔ:

زکریاشاذؔ آزاد کشمیر کے ادبی منظر نامے کے معروف شاعر ہیں۔ ان کی ولادت ۱۹۶۵ء میں کوٹلی میں ہوئی۔ انھوں نے ۱۹۸۲ء سے میٹرک گورنمنٹ پائلٹ ہائی اسکول کوٹلی سے کی۔ کوٹلی کالج سے انٹر اور گریجوشن کرنے کے بعد ۱۹۹۵ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے اُردو زبان و ادب میں ایم۔اے کیا۔ چھے نومبر ۱۹۹۷ء سے بہ حیثیت اُردو لیکچرر اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ لحہ تحریر تک شعبہ درس و تدریس سے منسلک ہیں۔ اس وقت گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج کوٹلی میں بہ حیثیت اسسٹنٹ پروفیسر اپنی خدمات جاری رکھے ہوئے ہیں۔

زکریاشاذؔ کا شعری مجموعہ "خاموشی کی کھڑکی سے"۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آیا۔ ان کی شاعری میں داخلیت اور خارجیت دونوں سطح موجود ہیں۔ ان کے کلام میں کلاسیکی رنگ بھی جھلکتا ہے۔ ان کے موضوعات میں بہ حیثیت کا موضوع بدرجہ رقم پایا جاتا ہے۔ محبت کے موضوع کو انھوں نے کئی حوالوں سے برتا ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی ان کا کلام عمدہ ہے۔ ان کے ہاں فنی و فکری اوصاف موجزن ہیں۔ ان کی غزل سے متعلق ڈاکٹر وزیر آغا یوں رقم طراز ہیں:

> "زکریاشاذؔ کی غزل جدید لب و لہجہ کی حامل ہے۔ کہیں بھی شاعر کی بھیگی ہوئی آواز جذباتی خروش میں تبدیل نہیں ہوئی۔ ایک موہوم سی کسک غزل کے تاروپود میں رچی بسی ہوتی ہے۔ زکریا شاذؔ نے غزل کی عام اور پامال روش سے ہٹ کر بات کہنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے نہ صرف معاملات کو اپنی نظر سے دیکھا ہے بل کہ انھیں منقلب کر کے معنی خیز بھی بنایا ہے۔" (۸)

ان کے کلام سے ان کی شعری خصوصیات واہوتی ہیں۔ ان کے نزدیک اشعار کی کثرت ضروری نہیں بل کہ معانی و خیال کا حامل ایک شعر بھی کسی شاعر کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

شعر اچھا ہو تو اک ہی کافی
لوگ دیوان لیے پھرتے ہیں

زکریا شاذؔ نے اپنے کلام میں لڑکی، بارش اور مٹی کے حوالے کو خوب صورتی سے برتا ہے مثلاً:

گھر سے یوں مت نکلو لڑکی بارش میں
خوش بو بن جاتی ہے مِٹی بارش میں

صبح بلانے آئے تو پھر کب رکتی ہے نیند
یہی بہت یہ لڑکی رات کی رات آ جاتی ہے

دامن دامن جاری بارش
لے گیا کون ہماری بارش

نظر آدھی سے سارا دیکھتی تھی
وہ لڑکی کتنا اچھا دیکھتی تھی

محبت کے مضمون کو زکریا شاذؔ نے ایک نئے رنگ اور آہنگ سے موزوں کیا ہے۔ مثلاً

کب محبت کی کہانی کا پتا چلتا ہے
ختم جب ہو تو معانی کا پتا چلتا ہے

آخر یہ ناکام محبت کام آئی
تجھ کو کھو کر میں نے خود کو پایا ہے

ہے خاکِ محبت میں اثر اور طرح کا
پیڑ اور طرح کے ہیں ثمر اور طرح کا

مزید ایک شعر ملاحظہ ہو:

پیار تو پیار تھا نفرت کو بھی اب کے اے دل
جمع وتفریق کے اعداد میں سوچا جائے

ایاز احمد عباسی:

ایاز عباسی آزاد کشمیر میں شعر و ادب کی روایت میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کا تعلق ضلع باغ آزاد کشمیر سے ہے۔ شعر و ادب سے رغبت آپ کو بچپن سے ہی ہے۔ ایاز عباسی نے ہائیکو، نظم، منقبت، قطعہ، غزل اور نعت میں طبع آزمائی کی مگر نعت اور غزل ان کی خاص پہچان بنی۔ ان کا اولین شعری مجموعہ "ظہور" کے نام سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہو کر ادبی حلقوں میں تحسین حاصل کر چکا ہے۔ جب کہ تاحال مشق سخن جاری ہے۔ ایاز عباسی کی شاعری میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ایک اچھے شاعر کے کلام کا وصف ہوتی ہیں۔ ان کا کلام حب رسول ﷺ اور حب وطن کے جذبات سے سرشار ہے۔ مثلاً:

مصرعِ نعت میں جو لفظ لگائے نہ لگے
اس کی اے باری تعالیٰ مجھے ہائے نہ لگے

ایک رحمت کا دریا ہے صلےٰ علیٰ
مصطفےٰ ﷺ ، مصطفےٰ ﷺ ، مصطفےٰ ﷺ ، مصطفے ﷺ

وہ جہاں ہر خواب اب تک تشنہ تعبیر ہے
یہ وطن تیرا وطن میرا وطن کشمیر ہے

یہ ورد اسم محمد ﷺ بھی کیا کرامت ہے
میں سرنگوں کسی محفل میں پھر کبھی نہ ہوا

کربِ محبت اور تلخی ایام ان کی شاعری کے اہم موضوعات ہیں۔ مثلاً
ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

گر تلخی ایام سے فرصت ہوتی
اے دوست بہاتے کہیں جم کے آنسو
پھر ایسا ملا غم کہ نہ سنبھلا ہم نے
قرطاسیہ بہہ نکلے قلم کے آنسو

ان کے کلام سے مزید مثالیں ملاحظہ ہوں:

پلکیں بچھائیں لوگ میر راہگزارِ زیست
اے کاش شاخ پر کوئی گل ہی نیا کھلے

عمر تیری بھی ماہ و سال میں ہے
بادشاہا! تو کس خیال میں ہے

احمد عطاءاللہ:

احمد عطاؔاللہ آزاد کشمیر کے اہم شاعر ہیں۔ احمد عطااللہؔ ۱۰/ اپریل ۱۹۶۵ء کو جنم لیا۔ ان کے والدین بہ غرض روزگار لاہور میں قائم پذیر ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی پیدائش لاہور میں ہی ہوئی۔ احمد عطاؔاللہ نے ابتدائی تعلیم لاہور سے حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان اسلامیہ ہائی اسکول بھاٹی گیٹ سے پاس کیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تعلیم سے ان کا رشتہ منقطع رہا۔ ۱۹۸۵ء میں انٹر کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں گریجویشن کے لیے داخلہ لیا۔ جہاں کا ادبی ماحول آپ کو بہت راس آیا۔ ان کی صلاحتیں نکھر کر سامنے آنے لگیں۔ یوں آپ کو اسی ادارے نے عطااللہ عطا سے احمد عطااللہؔ بنا دیا۔ ۱۹۸۷ء میں گریجویشن کے بعد اسی درس گاہ سے اُردو زبان وادب میں ایم اے کیا۔ ۱۹۸۹ء میں ایم اے کی ڈگری مکمل کی۔

گورنمنٹ کالج لاہور میں احمد عطاؔاللہ کو اُردو ادب کے نام ور دوستوں سے صحبت کا موقع ملا۔ ان میں عباس تابشؔ، ڈاکٹر عبدالعزیز ساحرؔ، ڈاکٹر سید معین الرحمن، ڈاکٹر صدیق جاوید وغیرہ سر فہرست ہیں۔ ان کے علاوہ احمد ندیم قاسمیؔ سے بھی مستفید ہوئے۔

احمد عطااللہؔ کا ابتدائی کلام احمد ندیم قاسمیؔ کے رسالے "فنون" میں چھپتا رہا۔ فنون کے ذریعے لاہور کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوئے۔ احمد عطااللہؔ

ریڈیو پاکستان لاہور سے بھی منسلک رہے۔ پاکستان ٹیلی ویژن لاہور سے ''گفتگو'' کے نام سے ادبی پروگرام کی میزبانی بھی کرتے رہے۔

احمد عطاؔاللہ کا اولین شعری مجموعہ ''بھول جانا کسی کے بس میں نہیں''۱۹۹۸ء کو شائع ہوا۔ ان کا دوسرا شعری مجموعہ ''ہمیشہ''۲۰۱۱ ء میں منظور عام پر آیا۔ فرہاد احمد فگارؔ نے ۲۰۱۴ء میں احمد عطااللہ کی غزل پر نمل اسلام آباد سے ایم۔اے اردو کی سطح کا مقالہ تحریر کیا جو ''احمد عطااللہ کی غزل گوئی'' کے نام سے ۲۰۲۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ان کے کلام میں عشق و محبت، شہر اور گاؤں، یاد، گلی مذہب وغیرہ اہم موضوعات ہیں۔

برف زاروں سے کتنے ہی موسم سہانے گئے شہر کو
ہم تو ڈھلوان پر پانیوں کو عطاؔ روکتے رہ گئے

گاؤں کی سب سے حسیں لڑکی ہے
اور میلوں میں ہے شہرہ اس کا

گاؤں کی ہستی ہوئی سرسوں مجھے تڑپائے گی
شہر کے مایوس منظر کی طرف جاتے ہوئے

جب سے ہونے لگے فنا سے خوش
خوش خدا ہم سے ہم خدا سے خوش

فقط اس سے عبارت ہیں عطاؔ کشمیر کے منظر
کہ وہ گلِ رخ نہ ہو گا تو نظارہ بھی نہیں رہنا

تیری آنکھیں بیان کرتی ہیں
بات جو شاعری کے بس میں نہیں

یہ ہیں شہزادیوں کی آہٹیں پتھر کی بستی میں
کہ ان چاول بھگوتی لڑکیوں کے دل دھڑکتے ہیں

یک طرفہ محبت تھی جتانی بھی نہیں تھی
جا جا کتھا سب کو سنانی بھی نہیں تھی

بہت سی خواہشیں ہم دل کے اندر مار دیتے ہیں
سو باقی خواب دنیا والے مل کر مار دیتے ہیں

اگ رہے ہیں اپنے بیج یہ جو بانس کے جنگل
اپنی سانس دے کے انھیں بانسری بنا دوں گا

احمد عطا اللہ اپنی شاعری میں ہمیشہ وہ موضوعات شامل کرتے ہیں جو عام آدامی کے مسائل ہوتے ہیں۔ احمد عطا اللہ کے مطابق گاؤں کے لوگ مہمان نواز، زندہ دل اور انسانی اقدار کی قدر کرنے والے ہوتے ہیں۔ فرہاد احمد فگارؔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"عطاؔ نے گاؤں کو ایک نئے انداز میں دریافت کیا ہے اور جہاں گاؤں کے لوگوں کے صادق جذبے عطاؔ کو بھاتے ہیں وہاں گاؤں کے مناظر

بھی آپ کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں۔ احمد عطااللہؔ نے گاؤں
کو خلوص، وفا اور محبت کی علامت بنا کر قاری کے سامنے رکھا ہے۔" (۹)

احمد عطااللہ جدید لب و لہجے کے شاعر ہیں۔ ان کے ہاں اُسلوب منفرد اور بالکل تازہ ہے۔ احمد عطااللہ کی شاعری میں دیہاتی زندگی سے محبت نسبتاً زیادہ ہے۔ احمد ندیم قاسمیؔ کی صحبت کا اثر ہے کہ آپ کے کلام میں گاؤں کی زندگی جابہ جا موجود ہے۔ احمد عطااللہؔ گردونواح میں گہرا مشاہدہ رکھنے والے انسان ہیں۔ ملکی و قومی سطح پر رونما ہونے والے ہر واقعے پر آپ کی نظر ہوتی ہے۔ ان کے کلام میں فطرت کی عکاسی مؤجزن ہے۔

ناز مظفر آبادی:

اکرم سہیل کے ہم عصر شعرا میں ناز مظفر آبادی کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کی پیدائش یکم جنوری ۱۹۴۰ء کو آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد میں ہوئی۔ ناز مظفر آبادی کا رجحان ابتدا سے ہی سخن سازی سے رہا۔ ان کی شاعری میں نظم، غزل دونوں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ قطعات، گیت اور قومی نغمات وغیرہ کی صورت میں بھی سخن سازی کی۔ سخن سازی کے اعتبار سے کافی ثروت مند ہیں۔ ناز لحہ موجود تک پانچ شعری مجموعوں کے خالق بن چکے ہیں۔ جن میں بہار آنے تک، دسترس، سرگوشی، ہم سخن اور حرف آشنا شامل ہیں۔ ناز مظفر آبادی کی شاعری میں زیادہ تر حصہ غزل پر مشتمل ہے۔ ان کی غزل بھی مختلف التنوع موضوعاتکی حامل ہے۔ ان کی غزل کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالکریم لکھتے ہیں:

"ناز صاحب کی غزل میں اپنی مٹی سے محبت ، حکمرانوں کی
ساحری اور عوام کی ریاکاری اور منافقت کے تمام رنگ نظر

آتے ہیں۔ وہ جہاں اس ملک کے مسائل سے آگاہ ہیں، وہیں
حکمرانوں کے اوچھے ہتھکنڈوں اور عوام کیسے حسی، منافقت،
عدم برداشت اور محدود سوچ سے بھی واقف ہیں۔"

ناز مظفر آبادی نے اُردو شاعری کو ایک نیا رنگ، آہنگ لہجہ اور دل کش پیرائیہ بیان عطا کیا ہے۔ انھوں نے شاعری میں رنج وراحت، زمین کے فتنے، درد ہجر، عشقیہ جذبات، تہذیبی اقدار، تاریخ، وطن، شہر کے علاوہ عشق و محبت جیسے مضامین کو کمال مہارت سے اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔

زمین کے مسائل ابھی تک ہیں اپنی جگہ حل طلب
ستاروں سے آگے ہماری نظر ہے بڑی بات ہے

درد کی رنج کی تصویر بنا پھرتا ہوں
میں ترے ہجر میں کشمیر بنا پھرتا ہوں

شعر کہتی ہوئی تری آنکھیں
بات کرتی ہیں استعارے میں

ناز مظفر آبادی کی شاعری کا بڑا حصہ حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔ انھوں نے اپنے گرد و پیش کے حقیقی موضوعات کو موزوں کیا ہے۔ مثلاً سیاسی طبقے کی نقاب کشائی یوں کرتے ہیں:

یہ اختلاف ، یہ جھگڑے، سیاسی لوگوں کے
فقط دکھاوا ہے، یہ اک گرو کے چیلے ہیں
سب ایک سے ہوتے ہیں سیاست کے کھلاڑی
لوگوں کی مگر خام خیالی نہیں جاتی

ناز مظفر آبادی اردو زبان سے گہری محبت رکھتے ہیں۔ اس کی جھلک ان کے کلام میں بہ خوبی نظر آتی ہے۔ مثلاً:

جسے کہتے ہیں معشوقوں کی بولی
یہی اُردو زباں ہے، اور کیا ہے

ناز کے کلام میں مدحت رسول ﷺ، حب رسول ﷺ اور حب وطن کی لے بدرجہ اتم پائی جاتی ہے:

فرشتے میری آنکھوں کی زیارت کرنے آتے ہیں
کہ میں جب بھی زیارت کر کے آتا ہوں

ناز مظفر آبادی کو شعر و ادب کی دنیا میں بلند مقام حاصل ہے۔ ان کی شخصیت اور فن پر ایم فل کی سطح کا کام ہو چکا ہے۔ جو کتابی شکل میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ یہ تحقیقی کام رفاانٹر نیشنل یونیورسٹی کی ایک طالبہ شبانہ کوثر نے بہ عنوان "ناز مظفر آبادی۔ حیات و فن" ۲۰۱۶ء میں مکمل کیا۔

شہباز گردیزی:

سید شہباز گردیزی آزاد کشمیر کی ادبی فضا میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کا تعلق آزاد کشمیر کے ضلع پونچھ سے ہے۔ ان کا خاندان بہ سلسلہ روز گار سندھ ایک عرصے تک قیام پذیر رہا۔ وہیں ان کی ولادت ۲۳/ نومبر ۱۹۷۶ء کو وادی سندھ کے بزرگ لعل شہباز قلندر کے پڑوس میں واقع شہر حیدرآباد میں ہوئی۔ شہبازؔ گردیزی کو بچپن سے ہی شاعری سے لگاؤ تھا۔ بعد ازاں پروفیسر ڈاکٹر افتخار مغل اور پروفیسر شفیق راجا سے اصلاح سخن کا سلسلہ جاری رہا۔ یوں شہبازؔ نے اپنے جذبات و تاثرات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنے کی صلاحیت حاصل کی۔ وہ الفاظ کے انتخاب میں بڑی ہنر مندی سے کام لینا جانتے ہیں۔

شہباز گردیزی کا اولین شعری مجموعہ "حقیقتوں کے عذاب" کے نام سے ۲۰۰۳ء میں منصۂ شہود پر آیا اور اسے ادبی حلقوں میں خوب پزیرائی ملی۔ ان کا دوسرا شعری مجموعہ "خواب کون دیکھے گا" ۲۰۰۸ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ علاوہ ازیں ضلع پونچھ کے شعرا کا ایک انتخاب "اُجلی مٹی" کے نام سے شائع کیا۔ "جمہوریت کی دیوی" (اخباری کالموں کا مجموعہ) اور "متاح حسن" (تاریخ کشمیر) کو شائع کر کے اپنی تصنیفی صلاحیت کا لوہا منوایا۔

شہباز گردیزی ادبی تنظیموں میں بھی کافی فعال دکھائی دیتے ہیں۔ آزاد کشمیر کی ادبی تنظیم "طلوع ادب" کے معتمد اعلا، چیئرمین افکار پاکستان، صدر حسن بیان آزاد کشمیر، رکن کشمیر کلچرل بورڈ کے علاوہ کشمیر ادیب فاؤنڈیشن آزاد کشمیر (کاف) پونچھ ڈیژون کے صدر کے طور پر سرگرم عمل ہیں۔ شہباز گردیزی کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ۲۰۰۶ء میں کشمیر کلچرل اکیڈمی ایوارڈ، ۲۰۰۹ء میں امیزنگ فیلڈ کارکردگی ایوارڈ اور ۲۰۱۱ء میں مرسی کور کارکردگی ایوارڈ کے علاوہ کئی طرح کے اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔

شہباز گردیزی دیگر شعرا کی طرح محبت کے جذبات سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں حب الوطنی کا وصف بھی موجود ہے، انھوں نے گرد و پیش میں روزمرہ کے واقعات کو موضوع سخن بنایا ہے۔ مثلاً ان کی ایک نظم "شوگر" شہباز کی ذاتی روداد ہے۔ جس میں لاکھوں مریضوں کی داستانِ غم کو موزوں کیا ہے۔ شہباز گردیزی کے ہاں خواب ایک کامیاب استعارہ ہے، آزادیِ کشمیر کا خواب، امن و آتشی کا خواب ان کی شاعری کا خاصا ہے۔ شہباز کی شاعری میں محبت کا پہلو دیگر شعر سے منفرد ہے۔ ان کے کلام میں محبت کی کئی جہات ہیں ۔ کہیں وطن سے محبت ہے تو کہیں فرد سے، کہیں حضور اکرم ﷺ سے محبت

ہے تو کہیں آلِ بیتؓ سے، یہ محبت ان کے رگ وپے میں شامل ہے۔ شفیق راجا اس بات کی یوں نقاب کشائی کرتے ہیں:

> "شہبازؔ گردیزی کی شاعری محبت کی شاعری ہے۔اسے محبت ہے فرد سے، معاشرے سے، اسے پیار ہے خوب صورت ماحول سے، اپنے وطن سے، اسے محبت ہے نبی ﷺ سے اور آل نبی ﷺ سے، یہ محبت اس کے خون میں شامل ہے" (۱۰)

شہبازؔ گردیزی کی شاعری حقیقت کی شاعری ہے۔وہ بغیر کسی مصلحت کے، بغیر کسی مالی منفعت کے، بغیر کسی سے خوف زدہ ہو کر مسلسل سچ لکھتا جا رہاہے۔ان کی شاعری مین اس سچائی کو خوب جھلک ملتی ہے۔ شہبازؔ نے اپنے کلام میں خوابوں کا تذکرہ بھی بڑے لطیف انداز میں کیا ہے۔ان کے کلام سے بہ ذیل اشعار مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں:

یہ حقیقت ، عذاب ہے شہبازؔ
میرے خوابوں کا حال کیا ہو گا

کاش عدو سے میرا سودا طے پائے
میں اُس کو مل جاؤں اور کشمیر مجھے

ساری دنیا میں جنت کی ایک یہی تصویر
یہ جموں کشمیر ہے بھائی یہ جموں کشمیر

کس طرح سے آئینہ کہہ دوں میں ان اشعار کو
شاعری میں جب تلک موجود سچائی نہ ہوں

مزدور کا سپنا بھی مشقت کا جزیرہ ہے
آرام کے موسم میں بھی ہلکان بہت ہے

کسی بھی اور نسبت سے مجھے پہنچانا مت جائے
غلام پنج تن ہوں بس یہی پہچان ہے میری

گہہ فرات بنی قتل گاہ آل نبی ﷺ
عجیب بات کہ اس پر بھی چپ رہا پانی

ہے اپنے مکینوں کے لیے یہ تو جہنم
جنت ہے لٹیروں کے لیے وادی کشمیر

اس کی آنکھوں سے ہم کو کیا لینا
ان میں کچھ عذاب ہیں جو پیارے ہیں

واحد اعجاز میرؔ:

واحد اعجاز میرؔ آزاد کشمیر کے ادبی حلقوں میں اپنی منفرد پہچان رکھتے ہیں ۔ واحد اعجاز میرؔ کی ولادت ۶؍ مئی ۱۹۷۷ء کو گوجرہ مظفر آباد میں ہوئی۔ ان کے اجداد مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کر کے آزاد کشمیر کے شہر اقتدار مظفر آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ مظفر آباد ان کے خاندان کا مستقل مسکن ٹھہرا۔ واحد اعجاز میرؔ آزاد کشمیر کے اہم شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔

واحد اعجاز میرؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی ضلع مظفر آباد سے ہی حاصل کی۔ ۱۹۹۵ء میں انٹرنس گورنمنٹ ہائی اسکول گوجرہ سے مکمل کی۔ انجینئرنگ میں

داخلہ لیا مگر اس کے بعد ان کی شخصیت میں لاابالی پن اور بانکپن کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوا۔ یوں واحد اعجاز میرؔ مظفر آباد چھوڑ کر لاہور مقیم ہو گئے۔ لاہور میں ان کا قیام قریباً دو برس تک رہا۔ اس دوران میں انھوں نے شاعری میں نکھار پیدا کیا۔ کیوں کہ واحد اعجاز میرؔ لاہور کی ادبی مجالس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے۔ یوں ان کی شخصیت میں شعری جنون کو مزید تقویت ملی۔

واحد اعجاز میرؔ نے لاہور سے واپسی پر تعلیم کا سلسلہ وہی جوڑا جہاں سے منقطع ہوا تھا۔ انھوں نے انٹر میڈیٹ گوجرہ کالج سے کرنے کے بعد ۲۰۰۰ء میں گریجویشن مکمل کی۔ بعد ازاں ۲۰۰۵ء میں آزاد جموں و کشمیر یونی ورسٹی مظفر آباد سے سے انگریزی ادبیات میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسی دوران میں واحد اعجاز میرؔ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز مظفر آباد کے نجی تعلیمی اداروں سے بہ طور معلم شروع کیا۔ دوران ایم ۔اے ان کے مراسم ڈاکٹر ندیم حیدر بخاری سے بنے، کیوں کہ وہ ان کے ایم۔اے انگریزی کے استاد ہیں۔ انھوں نے اس نوجوان شاعر کو مزید حوصلہ دیا۔ واحد اعجاز میرؔ کا اولین شعری مجموعہ ''راستہ مت بدل'' ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ جس نے کافی مقبولیت حاصل کی۔ ان کا دوسرا شعری مجموعہ ''آواگون'' کے نام سے ۲۰۱۵ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ واحد اعجاز میرؔ کی شاعری مختلف التنوع موضوعات کی حامل شاعری ہے۔ ان کے اشعار میں ندرت ، تازگی ، نغمگی ، مزاحمت ، مذہبی عناصر اور کشمیر سے لگاؤ خوب جھلکتا ہے۔ واحد اعجاز میرؔ کی شاعری کی بابت فرہاد احمد فگارؔ رقم طراز ہیں:

'' واحد اعجاز میرؔ کی شاعری میں مزاحمتی رنگ، کشمیر، رجائیت، وصال، ہجر، قنوطیت، عوامی و سماجی شعور اور عالمی رویوں کے اثرات

موجود ہیں۔وہ مذہبی اعتبار سے بھی ایک مضبوط شاعر ثابت ہوئے ہیں۔"(۱۱)

واحد اعجاز میرؔ کی شاعری میں مقامی حوالے بھی موجود ہیں،ان کے کلام میں دریاؤں کی روانی، آبشاروں اور جھرنوں کی نغمگی بھی نظر آتی ہے۔دیگر شعرائے کشمیر کی نسبت واحد اعجاز میرؔ واقعی کربلا سے زیادہ متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ان کی شاعری میں سچے جذبات کی عکاسی موجزن ہے۔واحد اعجاز میرؔ کا کلام پاکیزہ جذبوں اور خوب صورت تخیلات کا مجموعہ ہے۔ان کے کلام سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہجر ویران سمندر کا کنارا ہے کوئی
جس کی اس پار بہت دور ہمارا ہے کوئی

لب فرات پہنچ کر ہوئی خبر مجھ کو
کہ منتظر ہے نئی کربلا ، فرات کے بعد

یہ جو گرنا سنبھلنا ہے اس میں ندامت کی کیا بات ہے
اپنے پاؤں پہ گر اپنے ہاتھوں سنبھل ، راستہ مت بدل

ہم نے نیلم اور جہلم میں لاشے آتے دیکھے
سنتے تھے ان دریاؤں میں سونا آتا ہے

کہیں کربلا تو کہیں فرات کا کھیل ہے
یہ جو عشق ہے یہ تو معجزات کا کھیل ہے

اتنی سج دھج کو جو دیکھوں تو گماں ہوتا ہے
لوگ بازار میں بکنے کے لیے آئے ہیں

فرہاد احمد فگارؔ:

فرہاد احمد فگارؔ نے ۱۶/مارچ ۱۹۸۲ء کو چھتر دو میل، مظفر آباد میں جنم لیا۔ ابتدائی تعلیم علی اکبر اعوان ہائی اسکول چھتر دو میل سے حاصل کی۔ آزاد کشمیر تعلیمی بورڈ میر پور سے انٹر کا امتحان پاس کرنے کے بعد گریجویشن کی ڈگری علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد سے درجہ اول میں حاصل کی، علم کی مزید پیاس کو بجھانے کے کی خاطر پاکستان کی معروف درس گاہ نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد میں داخلہ لیا۔ اسی یونی ورسٹی سے ۲۰۱۴ء میں اردو ادبیات میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔

انھوں نے ایم۔اے (اُردو) میں "احمد عطاء اللہ کی غزل گوئی" کے عنوان سے مقالہ رقم کیا۔ تعلیم کو مزید جاری رکھا اور اسی معروف ادارے سے ڈاکٹر نعیم مظہر کی زیر نگرانی "آزاد کشمیر کے منتخب غزل گو شعرا" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ۲۰۱۷ء میں ایم فل (اردو) مکمل کیا۔ ہنوز پی۔ایچ۔ڈی (اردو) کے بحر میں غوطہ زن ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف پیشہ وارانہ کورسز بھی کر رکھے ہیں۔ مثلاً اقرا یونی ورسٹی اسلام آباد سے کمپیوٹر ڈپلوما، نمل اور کامسیٹ سے انگریزی زبان کا ڈپلوما ۲۰۱۰ء میں اور اسلام آباد سے انٹر نیشنل اکیڈمی سے صحافت کا ڈپلوما وغیرہ۔

فرہاد احمد فگار آزاد کشمیر بہترین محقق و نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ شعر وادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ شعر وادب کے حوالے سے بڑا محتاط رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ شاعری کو معیار کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھنا ان کی ہی شخصیت کا طرہ امتیاز ہے۔ فرہاد احمد فگارؔ ایک محتاط شاعر ہونے کے علاوہ بہترین افسانہ نویس، منفرد کالم نگار اور سفر نامہ نگار بھی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں احمد عطااللہ کی غزل گوئی، بزمِ فگار اور ایک مرتبہ کتاب آزاد کشمیر میں اردو شاعری شامل ہیں۔ تدریس کے ساتھ ساتھ کئی برسوں سے شعبہ صحافت سے بھی منسلک ہیں۔ اس کے علاوہ آپ آزاد کشمیر یونی ورسٹی، مظفر آباد کے شعبہ اردو میں بہ طور جزو وقتی لیکچرر تعینات رہے۔ ۲۰۱۹ء میں بہ ذریعہ پی ایس سی لیکچرر منتخب ہوئے اور گورنمنٹ بوائز انٹر کالج میرپورہ، نیلم میں بہ طور لیکچرر (اردو) اپنی تدریسی خدمات جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ضلع نیلم کی تاریخ کا پہلا کالج میگزین "بِساط" فرہاد احمد فگارؔ کی زیرِ ادارت اسی ادارے سے شائع ہوا۔

فرہاد احمد فگارؔ کا کلام، تحقیقی و تنقیدی مضامین معروف ملکی و غیر ملکی رسائل و جرائد میں اشاعت پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں ماہ نامہ "خاص بات "اسلام آباد، ماہ نامہ "پرواز" لندن، سہ ماہی" ارمغان ادب" اسلام آباد، روزنامہ جناح، اوصاف، محاسب، سیاست، خبر نامہ، کشمیر ٹائمز، شمال، جموں و کشمیر اور صبح نو قابل ذکر ہیں۔ فرہاد احمد فگارؔ ایک ایسی ادب پرور شخصیت ہیں کہ ایک شعر کے حقیقی خالق کا نام جاننے کی خاطر میلوں سفر کرتے ہیں۔ یہی ادب پروری کا بین ثبوت ہے کہ فگارؔ اس وقت قریباً پاکستان کے تمام ادبا و شعرا کی صحبت سے اکتسابِ فیض حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی شخصیت میں انتہائی سادگی ، ملامت اور عاجزی بدرجہ اُتم موجزن ہے۔ فرہاد احمد فگارؔ اکثر و بیشتر مشاعروں کی

رونق ہوتے ہیں اور شعر کہنے اور سنانے میں حد درجہ محتاط واقع ہوئے ہیں۔ شہبازؔ گردیزی نے اس بات کو یوں بے نقاب کیا ہے:

"عجیب شاعر ہے خود شعر سننے کے لیے دور دراز مشاعروں میں شرکت کرتا ہے، نہ کسی ستائش کی تمنا، نہ کوئی اور طلب بس ذہن میں فروغِ شعر وادب کا جنون ہے۔" (۱۲)

فرہاد احمد فگارؔ کو اُردو زبان سے گہری محبت ہے۔ ہمیشہ اُن کو اِس کی اصلاح و دفاع کی دُھن لگی رہتی ہے۔ چوں کہ فرہاد احمد فگارؔ شعبہ درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ اس لیے اصلاحِ زبان اُن کا وتیرہ بنا ہوا ہے۔ آزاد کشمیر کے کالم نگار محمد سفیر اس بابت لکھتے ہیں:

"دورانِ تدریس بھی فرہاد احمد فگارؔ کا بڑا وقت طلبہ کے تلفظ اور املا کی اصلاح میں گزرتا ہے اور اکثر و بیشتر اُردو ادب کے سرمایے کو کالم کی صورت میں اخبارات میں شائع کرواتے ہیں تاکہ ہمارا معاشرہ اس سے آگاہ ہو۔" (۱۳)

فرہاد احمد فگارؔ کی شاعری میں واردات قلبی، غریب و پست طبقے کی آواز، حالات حاضرہ پر نظر، مذہب سمیت حب رسول ﷺ جیسے مضامین موجزن ہیں ،اُن کے کلام سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

تجھ سے یہ دوریاں فگارؔ اکثر
میرا جینا محال رکھتی ہیں

قتل و غارت ہے بپا کیسی مرے شہروں میں
یوں کبھی خون کا بازار نہیں دیکھا ہے

واللیل تیری زُلف ہے ، والعصر تیرا عصر
سب آیتوں کے محور ومرجع حضور ﷺ ہیں

پہلے آنکھوں میں تیرا عکس اتارا میں نے
اور پھر ان آنکھوں کو شیشے میں سجا کے رکھا ہے

وہ جو مزدور بناتے ہیں محل اوروں کے
اُن کا اپنا کوئی گھر بار نہیں دیکھا ہے

نظر آتے ہیں پُجاری تو بہت دولت کے
کوئی اُلفت کا طلب گار نہیں دیکھا ہے

شمعِ اسلام جس سے فروزاں ہوئی
وہ لہو مصطفےٰ ﷺ کے گھرانے کا ہے

اُردو کا ایک بڑا طبقہ فرہاد احمد فگارؔ کی تنقیدی و ادبی صلاحیتوں کا معترف ہے۔ جن میں جدید غزل کے معتبر شاعر ظفرؔ اقبال اپنے کالموں میں کئی مرتبہ نہ صرف تذکرہ کر چکے ہیں بل کہ فگارؔ کے اس کام کو خراجِ تحسین و داد بھی دے چکے ہیں۔ مثلاً:

" وہ آئے بزم میں اتنا تو ہم نے دیکھا میرؔ
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

اس لاوازل شعر کو ہم نہ صرف اسی طرح پڑھتے رہے بل کہ اسے قرار بھی میرؔ صاحب ہی کا دیتے رہے لیکن آج فرہاد احمد فگارؔ صاحب نے میسج کے ذریعے بتایا کہ یہ شعر کسی منشی مہاراج بہادر ورما برقؔ کا ہے۔ جن کا دورانیہ ۱۸۸۶ء سے ۱۹۳۶ء تک ہے اور جن کا تعلق پانی پت سے تھا اور اصل شعر بھی اس طرح سے ہے۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو برقؔ نے دیکھا
پھر اُس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی"(۱۴)

فرہاد احمد فگار کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں زم زم ویلفئیر سوسائٹی مظفر آباد کا بیسٹ اچیومنٹ ایوارڈ، فیبا کمیونی کیشن پاکستان سے زبان کی خدمات کے صلے میں ایوارڈ، بزم غالب پاکستان کا علمی و ادبی ثقافتی خدمات کے اعتراف میں سندِ امتیاز، بھیل انٹر نیشنل ایوارڈ، بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان ایوارڈ، بزم مصنفین ہزارہ کا ایوارڈ، ایف جے رائٹر فورم لاہور سے گولڈ میڈل اور سند، "بساط" کے اجرا پر بھیل انٹر نیشنل گولڈ میڈل سمیت بیسیوں ایوارڈز اور اعزازات سے نوازا گیا۔

درج بالا اوراق پہ مذکورہ "اکرم سہیل کے ہم عصر شعرا" کے کلام اور ان کے خصائص سے نہ صرف اکرم سہیل کی شاعری کو سمجھنے میں آسانی ہو گی بل کہ اکرم سہیل کی اپنے عہد میں انفرادیت بھی ابھر کر سامنے آئے گی۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبیؔ، ڈاکٹر، (دیباچہ) صلیبوں کا شہر، مخلصؔ وجدانی، ادبیات، مظفر آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۴۔

۲۔ فرزانہ ناز، پروفیسر، کشمیر اُردو ادب اور طنز و مزاح، نکس، میرپور، اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص ۱۶۳۔

۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر (پیش لفظ)، صلیبوں کا شہر، مخلصؔ وجدانی، ادبیات، مظفر آباد، ۱۹۹۵ء ص ۷۔

۴۔ فرہاد احمد فگارؔ، آزاد کشمیر کے منتخب غزل گو شعرا، مقالہ برائے ایم فل اُردو، نیشنلیونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء ص ۱۴۔

۵۔ فرزانہ ناز، پروفیسر، کشمیر اُردو ادب اور طنز و مزاح، نکس، میرپور، اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص ۲۳۰۔

۶۔ مسرت صبوحیؔ، پروفیسر، کشمیر میں مزاحمتی ادب، علی پرنٹرز، میرپور، ۲۰۱۴ء ص ۶۵

۷۔ جوادؔ جعفری (پیش لفظ)، احتجاج، ادارہ تحقیقات اسلامی، مظفر آباد، جون ۱۹۹۴ء، ص ۹۔

۸۔ وزیر آغا، ڈاکٹر (فلیپ) خاموشی کی کھڑکی سے، زکریا شادؔ، زریون مطبوعات، فیصل آباد، نومبر ۲۰۱۳ء۔

۹۔ فرہاد احمد فگارؔ، آزاد کشمیر کے منتخب غزل گو شعرا، مقالہ برائے ایم فل اُردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء ص ۱۶۹۔

۱۰۔ شفیق راجا (پیش لفظ) حقیقتوں کے عذاب، شہباز گردیزی، طلوع پبلی کیشنز، باغ، آزاد کشمیر، نومبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۔

۱۴۔ فرہاد احمد فگارؔ، آزاد کشمیر کے منتخب غزل گو شعرا، مقالہ برائے ایم فل اُردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء ص ۱۶۹۔

۱۱۔ شہباز گردیزی، فرہاد احمد فگارؔ کا تیشہ فن، مشمولہ روزنامہ جناح، راول پنڈی، ۲۹/ جون ۲۰۱۷ء۔

۱۲۔ محمد سفیر، اُردو کا فرہاد۔۔۔ بے رخیوں سے فگار، مشمولہ روزنامہ خبرنامہ، مظفر آباد، ۱۸/ دسمبر ۲۰۱۷ء۔

۱۳۔ ظفر اقبال، دال دلیا، مشمولہ روزنامہ دنیا، اسلام آباد، ۶/ جولائی ۲۰۱۶ء۔

باب سوم:

اکرم سہیل کی شاعری کا فکری و فنی مطالعہ

اکرم سہیل آزاد کشمیر کی ادبی و شعری روایت میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ کا پہلا شعری مجموعہ "نئے اجالے ہیں خواب میرے"۲۰۱٦ء میں منصۂ شہود پر آیا اور منظر عام پر آتے ہی ادبی حلقوں میں داد و تحسین کا مستحق ٹھہرا۔ اکرم سہیل کا مجموعہ کلام "نئے اجالے ہیں خواب میرے"ان کے جذبات و نظریات اور احساسات کا بھرپور عکاس ہے۔ اس مجموعہ کلام کو موضوعات کے لحاظ سے نو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں نظمیں زیادہ اور غزلیں کم ہیں۔ اسی طرح قطعات کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ مزید براں اس مجموعے میں کچھ حصہ مزاحیہ شاعری پر بھی مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آخر میں سندھی، انگریزی اور اُردو کے معتبر ادیب اور شاعر جام جمالی نے بعض نظموں کے سندھی اور انگریزی میں رواں ترجمے کیے ہیں جو بہت فکر انگیز ہیں۔ اس کتاب کا فلیپ پاکستان کے مشہور شاعر ناصر زیدی نے لکھا ہے۔ جب کہ انتساب مجموعی طور پر اپنے والد محترم صوفی محمد الدین کے نام، پاکستان کے محنت کشوں، مزدوروں، ہاریوں اور مزارعوں کے نام، جموں و کشمیر کے غلام عوام کے نام، پاکستان اور آزاد کشمیر کے عوام کے نام ہے۔

"نئے اجالے ہیں خواب میرے"دراصل ان کی ایک نظم کا عنوان ہے۔ جو انھوں نے نوجوانوں کے لیے لکھی ہے۔ اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

یہ ظلمتِ شب تیرا مقدر تو نہیں ہے
جو خواب ہیں تیرے وہی تقدیر ہے تیری

یہ خواب نہ کھونا کہ یہ منزل کے نشان ہیں
تدبیر سے بدلو کہ یہ ہے حکم الٰہی
تاریک شبوں میں بھی اجالوں کے نئے خواب
وہ خواب، مرے خواب، مرے خواب، مرے خواب

انھوں نے اس کتاب میں زندگی سے منسلک قریب قریب ہر موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کی شاعری میں تصوف، سیاست، سیاست دان، حکومتی پالیسیاں، کشمیر سے محبت، حالات حاضرہ پر گہری نظر، مزاحمت، انقلاب وغیرہ اہم موضوعات ہیں۔ ان کی شاعری کے موضوعات ہمہ گیر ہونے کے باوجود خیال اپنا منفرد رنگ لیے ہوئے ہیں۔

"نئے اجالے ہیں خواب میرے" کا اولین قطعہ جو اس کتاب کی ابتدا میں درج ہے، اس میں اکرم سہیل کئی رازوں سے نقاب کشائی کی نوید سناتے ہیں جو کہ اپنی معنویت کے لحاظ سے بھی منفرد اہمیت کا حامل ہے:

میں وہ جانتا ہوں حقیقتیں
جو اس ارضِ بے نوا کی ہیں
گر دل میں رکھ کے ہی سو گیا
تمھیں کون پھر یہ بتائے گا؟

فکری جائزہ:

اکرم سہیل ایک ایسے انسان ہیں جو انسانیت کا درد سمجھتے ہیں وہ اپنی قوم کا دکھ اور اس کا درد دیکھتے ہیں۔ اس پر ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک پاکستان میں ہونے والے انسانیت سوز واقعات کو شعری قالب میں

ڈھالتے ہیں۔ ہمیشہ ان کو انسانیت سے محبت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ کبھی اکرم سہیل مظفر آباد میں ایک اقلیتی مذہب سے تعلق رکھنے والی بچی کی موت پر نظم لکھتے ہیں جس کو دفن کرنے کے لیے جگہ نہ دی گئی۔ کبھی اوکاڑے میں ہاریوں کے قتل پر ہم دردی کا اظہار کرتے ہیں کبھی سانحہ پشاور پر دکھ کا اظہار کرتے ہیں اور اس حیرت کا بیان کرتے ہیں کہ ان معصوم طلبہ کو خون آلود کرنے کی ہمت کیسے ہوئی۔ مذہب کے نام پر قتلِ انسان کی بھیانک تصویر ہے۔ ان دہشت گردوں پر لطیف طنز کرتے ہیں:

مذہب کو بزنس بنانے والے
وطن کو رَہ سے ہٹانے والے
جو قتل انسان کے ترجماں ہیں
یہ اب بھی مذہب کے پاسباں ہیں

دنیا میں ہونے والی جنگوں میں معصوم انسانوں کی ہلاکت کی طرف کوئی نہیں سوچتا۔ ہر ملک کو دوسرے ملک پر برتری کی فکر ہوتی ہے۔ حکمران اپنے اقتدار کی خاطر معصوم جانوں کا ضیاع فرض عین سمجھتے ہیں ان جنگوں سے صرف مخصوص طبقات بہرہ مند ہو سکتے ہیں:

ہمیں جنگوں سے ہی محبت ہے
ہم نے دنیا کو زیر کرنا ہے
خون بہتا ہے کتنے لوگوں کا
یہ ہمیں سوچ کے کیا کرنا ہے

اکرم سہیل کے انسانیت سے محبت و الفت کا جذبہ بہ ذیل بند میں ملاحظہ ہو جو زلزلہ ۲۰۰۵ء پر لکھی گئی نظم میں بیان کیا گیا ہے:

ایک ملبے کے ڈھیر پر بیٹھی
کوئی ممتا پکارتی ہے یہی
میرے بچے کدھر گئے ہو تم
پھول بن کر بکھر گئے ہو تم

اسی طرح اکرم سہیل پاکستان کے شہر ملتان میں ہونے والے ایک جلسے کے موقع پر انسانی اموات پر اقتدار پرست و شہرت پرست راہنماؤں پر نوحہ کناں ہوتے ہیں، جس میں انسانیت کی تذلیل ہوئی:

مر رہے تھے لوگ اُن کے سامنے
تھا خیال اُن کو کہاں انسان کا
پانی پانی تھا پکارے ڈی جی بٹ
دل پسیجا نہ مرے کپتان کا

رجائیت:

اُردو ادب کے اکثر و بیشتر شعرا کے ہاں رجائیت کے پہلو نمایاں ہیں۔ کشمیر کی ادبی فضامیں اگرچہ مزاحمت کا رنگ بھی غالب ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہاں ایک بڑے عرصے سے عوام ظلم و ستم اور مشکلات کا سامنا کر رہی ہے۔ اس کے باوجود آزاد کشمیر کے دیگر شعرا نے جہاں اس مشکل ترین سماجی حالات و معاملات میں امید و آس کو اپنی گرفت میں رکھا وہیں اکرم سہیل نے بھی امید کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ ان کے کلام سے اس بات کا اندازہ ہو تا ہے کہ ان کے

کلام میں امید کی لو مدہم نہیں ہوئی۔ ان کے کلام میں امید و رجائیت کے مضامین موجود ہیں۔ تحریک آزادی کشمیر کی وجہ سے کشمیریوں پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کی داستان بہت طویل اور تھکا دینے والی مسافت ہے۔ یہاں پر چلنے والی آزادی کی تحریک میں پیش کیا جانے والا خون ایک دن ضرور رنگ لائے گا۔ اکرم سہیل یقین رکھتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن ضرور کشمیر کی وادی سے غلامی کے گھٹاٹوپ اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ آزادی کا سورج طلوع ہو گا اور معصوم کشمیریوں کا خون آزادی کی صورت میں رنگ لائے گا۔ مثلاً ایک نظم میں لکھتے ہیں:

یہ لہو رائیگاں نہ جائے گا
خون، شہیدوں کا رنگ لائے گا
ظلمتِ شب بھی در بدر ہو گی
ہے یقین مجھ کو پھر سحر ہو گی

اکرم سہیل کے کلام میں امید اور یقین کے پہلو بہت نمایاں ہیں۔ وہ کسی بھی کام کو انسان کے لیے ناممکن نہیں سمجھتے۔ مثلاً ان کے کلام سے رجائیت کے حامل اشعار ملاحظہ ہوں جو کہ زلزلہ ۲۰۰۵ء کے حوالے سے لکھی گئی نظم سے لیے گئے ہیں:

موت سے ڈرتے نہیں ہیں، یہ بہادر بچے
یہ میرے دیس کے پھول اور کنول سے بچے

پھول گلشن میں ابھی اور کھلائیں پھر سے
شب تاریک میں اک شمع جلائیں پھر سے

ایک دن ظلمتِ شب صبح بداماں ہو گی
فردِ بے مایہ بھی پھر شوکت انساں ہوں گے

کیا ہوا لُٹ گئے گر تو مایوس نہ ہو
اس کی رحمت پہ نظر ہو کوئی نومید نہ ہو

مذہبی موضوعات:

اکرم سہیل کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔ ان کے ہاں مذہبی رجحانات کا عنصر پایا جاتا ہے ان کے کلام میں نعت، حمدیہ اشعار، منقبت، سلام کی مثالیں نمایاں ہیں۔ اکرم سہیل اکثر نعتیہ مشاعروں کی زینت بھی بنتے ہیں۔ آپ ایک سچے عاشقِ رسول ہیں ان کے کلام سے بہ ذیل حمدیہ و نعتیہ اشعار مذہب سے گہری محبت کی غمازی کرتے ہیں:

خدایا توُ ہی ہمیں کوئی رہنمائی دے
بھٹک چکے ہیں ہمیں راستہ دکھائی دے

حبس میں ابرِ کرم اور گھٹا کی صورت
بے سہاروں کے لیے دستِ دعا کی صورت

بے سہاروں کو دیا بڑھ کے سہارا اس ﷺ نے
ڈوبتی ناؤ کو بخشا ہے کنارا اس ﷺ نے

نعتیہ اشعار کے ساتھ ساتھ اکرم سہیل نے واقعہ کربلا کے تناظر میں جو اشعار رقم کیے ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ سانحہ کربلا ایک ایسا واقعہ ہے جس کو اُردو ادب میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ خصوصاً اُردو شاعری میں تو واقعہ کربلا کی بنا پر الگ صنف شاعری نے جنم لیا۔ جسے عرف عام میں مرثیہ کہتے ہیں۔ اس صنف پر قریب قریب سب اُردو کے شعرا نے طبع آزمائی کی ہے۔ یہی وجہ ہے اکرم سہیل نے بھیکربلا کو اپنے کلام کا حصہ بنایااور اہل بیت سے اپنی محبت و انسیت کا ثبوت دیا۔ مثلاً اشعار ملاحظہ ہوں:

لٹا جو قافلہ وہ سب سے باوقار رہا
تمھارے خوں کی روانی پہ سب کو ناز رہا
چلا کے تیغ ستم بھی وہ سرنگوں ہی رہے
حسینؓ سر کو کٹا کے بھی سرفراز رہا

حضرت علیؓ کی شان میں لکھی گئی منقبت کا ایک شعر دیکھیے:

"عدل ہی ضامن بقائے ملک ہے"
کہِ گئے مولا علیؓ شیر خدا

بے باکی:

"نئے اجالے ہیں خواب میرے" کا بنیادی وصف بے باکی ہے۔ اکرم سہیل نے بیوروکریسی میں رہتے ہوئے جو کچھ دیکھا، محسوس کیا، اسے بغیر کسی دباؤ اور خوف کے بیان کر دیا ہے۔ ان کے کلام میں صداقت کے ساتھ ساتھ بے باک اظہارِ بیان موجزن ہے۔ انھوں نے اپنے بے باک لہجے کا خود اعتراف کرتے ہیں مثلاً:

میں چھپا رکھتا نہیں، جو دل میں مرے ہوتا ہے
جس سے نفرت ہو، اسے منہ پہ بتا دیتا ہوں

خودی کو بیچ کے عہدے کو کیا بچاتا میں
کہ سر جھکانا تو رب کے حضور آتا ہے

اس طرح ایک سیاسی جماعت جس کے نظریات میں غریب پروری ہے۔ جو اپنا نعرہ انسان کی بنیادی ضروریات کو گردانتی ہے۔ اکرم سہیل نے اس عملی تضاد کو بڑے بے باک انداز میں یوں بیان کیا ہے:

ختم غربت کو اس نے کرنا تھا
پارٹی تھی بنی غریبوں کی
ختم غربت تو لیڈروں کی ہوئی
باری نا آسکی غریبوں کی

اکرم سہیل بلاشبہ ایک نڈر انسان ہیں۔ بیوروکریسی میں رہتے ہوئے بیوروکریسی کے جرائم سے پردہ چاک کرنا ان کا خاص وصف ہے۔ بیوروکریٹ اور سیاسی طبقہ تو تقرریوں کے حوالے سے مگرمچھ بنا بیٹھا ہے۔ اس سے اکرم سہیل نے نقاب کشائی بڑی بے باکیسے کی ہے:

بھرتی کرتے ہو سدا اپنے ہی چیلے چانٹے
پھر بھی انصاف کے بھگوان بنے بیٹھے ہو
تم تعصب میں شرابور ہوئے ہو اتنے
اچھے انسان تھے، حیوان بنے بیٹھے ہو

مزید یہ شعر ملاحظہ ہو:

اس دور کے فرعون کے آگے نہ جھکیں گے
انکار کے ہر سمت عَلم اور زیادہ

کشمیر کا تذکرہ:

اپنی مٹی سے محبت ہر انسان کی فطرت میں شامل ہوتی ہے۔ کوئی بھی انسان ہو یا حیوان جہاں ایک طویل وقت تک قیام پذیر رہے تو اپنے گردونواح اور مِٹی سے انسیت و الفت کے جذبے سے سرشار ہو جانا فطری بات ہے۔ اپنے وطن سے محبت تمام مذاہب عالم میں مشترک قدر ہے۔ ارض کشمیر سے اپنی الفت و محبت شعرائے کشمیر کی شاعری کا خاصا ہے۔ کشمیر کے ہر شاعر نے، ادیب نے کشمیر کے کرب کو، کشمیر کی خوب صورتی کو، اپنی تخلیقات میں نمایاں مقام دیا ہے۔ شعرائے کشمیر اسے اپنے فرض سمجھتے ہیں کہ کشمیر کا حوالہ ان کی تخلیقات کا حصہ بنے۔ ایسے ہی شعرائے آزاد کشمیر نے بھی اپنی محبت اور جذبات کے فروغ اور اظہار کے لیے لفظوں کا سہارا لیا ہے مثلاً "لہو لہو کشمیر" کے خالق افتخار مغل کا یہ شعر اپنے اندر کشمیر سے لازوال محبت رکھتا ہے:

دو ہو کر بھی جدا جدا، ہیں کب میں اور کشمیر
خنجراب سے مادھوپور تک سب، میں اور کشمیر

اکرم سہیل کے اجداد کا تعلق چوں کہ مقبوضہ کشمیر سے ہے اس لیے ان کے رگ وپے میں کشمیر کا گہرا کرب اور اپنی دھرتی ماں کی آزادی کی شدید تڑپ موجود ہے۔ وہ اس بات کے شدید خواہش مند ہیں کہ ان کا وطن پنجہ غلامی

سے جلد آزادی حاصل کرے۔ کشمیر کی آزادی کے متعلق جب ان سے بات کی گئی تو دکھ بھرے انداز میں گویا ہوئے:

"کشمیر میں غلامی کی تاریک رات صدیوں پر محیط ہے۔ ہندوستان کے سیاست دان آزادی، امن و خوش حالی پر قابض ہیں۔ یہ سخت ظلم ہے، آزادی رائے کی اجازت نہیں ہے اسے لیے شاعری میں کشمیر کی آزادی اور کشمیر سے محبت کی گھن گرج موجود ہے۔"(۱)

اکرم سہیل اسی طرح کشمیر کہانی سے متعلق اپنے جذبات کا اظہار اس قطعے میں کرتے ہیں:

اک باب کھلا دیکھا
کشمیر کہانی کا
کیا راز بتاؤں میں
خون رنگ سے پانی کا

خطہ کشمیر سے محبت ان میں رچی بسی ہوئی ہے۔ ان کے جذبات اس بات کی غمازی کرتے ہیں۔ کشمیر قابض طبقے کو للکار للکار کر پکارتے ہیں کہ تم اپنے دادا کی جاگیر سمجھ کر میری ریاست کو لوٹ رہے ہو:

اپنے اجداد کی جاگیر سمجھ بیٹھے ہو
جی لگانے ہی کو تقصیر سمجھ بیٹھے ہو
یہ مرے دل کی ریاست ہے اسے مت لوٹو
کیوں اسے خطہ کشمیر سمجھ بیٹھے ہو؟

اکرم سہیل کو اپنے وطن کے ذرے ذرے سے محبت ہے۔ وہ کبھی اپنی شاعری میں کشمیر کے پانی کی بات کرتے ہیں۔ کبھی دریاؤں کا حوالہ دیتے ہیں، کبھی کشمیر کی قیمتی اور نایاب معدنیات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاں کشمیر کی معدنیات سے اور درختوں سے محبت جھلکتی ہے۔

مرے دریاؤں کی باتیں، مرے اشجار کی باتیں
مرے یاقوت کی باتیں، مرے مرجان کی باتیں

جو ہو قومی وسائل لوٹنا مقصد ہی جب اُن کا
کہاں بھاتی ہیں ان کو قاعدہ قانون کی باتیں

بانٹ رکھا ہے مرے دیس کا پانی تم نے
کیسے محسن ہو، کبھی خود بھی سو چا تم نے؟

کشمیر کی وادی ایک طویل عرصے سے لہو لہو ہے۔ جہاں آئے روز ظلم وستم کی اَن مِٹ داستانیں رقم کی جاتی ہیں۔ یہ وادی کبھی پُر سکون اور پُر کیف گردانی جاتی تھی۔ آج اس وادی میں انسانیت کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ جس وادی میں سرخ سرخ پھولوں سے وادی کے حسن کو چار چاند لگتا تھا وہاں آج ننھے کشمیری بچوں اور جوانوں کی لہو سے لت پت لاشوں سے انسان کی ہچکیاں بند ہونے لگتی ہیں۔ اکرم سہیل اس مضمون کو یوں وا کرتے ہیں:

سرخ پھولوں کی دھرتی تھا میرا وطن
اب لہو رنگ جس کا بنا پیرہن

کشمیر میں گزشتہ کئی ماہ سے ظلم و ستم کا سلسلہ مزید طول پکڑ چکا ہے۔ کشمیری بچوں پر بھارتی فوجیوں کی جانب سے پیلٹ گنز کے ذریعے بصارت سے محروم کیا جارہا ہے۔ کشمیری نوجوانوں کو معذور کیا جاسکتا ہے، شہید کیا جاسکتا ہے، اپنوں سے ہمیشہ کے لیے جدا کیا جاسکتا ہے مگر یاد رہے ان کے ہاں جو آزادی کے خواب ہیں ان کو نہیں چھینا جا سکتا۔ ان خوابوں کو معدوم نہیں کیا جاسکتا۔ اکرم سہیل اس انسانیت سوز ظلم کا گہرا مشاہدہ رکھتے ہیں اور کشمیریوں کے خواب آزادی کے بغیر کسی صورت تبدیل نہیں ہوسکتے۔ بھارتی قابض افواج کو چیلنج دیتے ہیں مثلاً:

کتنے تم آفتاب چھینو گے
کتنے تم مہتاب چھینو گے
چھین لیتے ہو ان کی آنکھیں بھی
پر کہاں ان کے خواب چھینو گے

اکرم سہیل کے نزدیک آزادی کی جہات کثیر ہیں۔ جس قوم سے بولنے کا حق چھین لیا جائے تو وہ قوم تابوت بن جاتی ہے۔ آزادی کے لیے سوچنے اور بولنے پر مکمل آزادی کے ساتھ ساتھ قوم کا باشعور ہونا بھی لازمی ہے۔ انھوں نے اسی بات کو اپنے ایک قطعے بہ عنوان "آزادی" میں یوں عیاں کیا ہے:

استعارہ ہے، لفظ آزادی کا
اس کی جہتیں کثیر ہوتی ہیں
یہ اترتی ہے ان کے آنگن میں
قومیں جو با ضمیر ہوتی ہیں

اکرم سہیل ایک نظم میں کشمیر کی قسمت پر دل گیر ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ کشمیر اور کشمیریوں کی قسمت میں ظلم کیوں لکھ دیا گیا ہے؟ غیر کا اختیار کیوں کر ختم نہیں ہوتا؟ کشمیر کی پاک دھرتی کو بہت ارزاں داموں کئی بار فروخت کیا۔ ان کی نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

میرے کشمیر تیری قسمت میں
غیر کا اختیار لکھا ہے؟
بکنا ہی بار بار لکھا ہے؟
اور کیوں بے وقار لکھا ہے؟

پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی اور دشمنی کی اصل وجہ مسئلہ کشمیر ہی رہا ہے۔ دونوں ملکوں کو اپنی اپنی بقا اور مزید مستحکم کرنے کے لیے کشمیر کی سرزمین کے حصول کے لیے رسا کشی جاری ہے۔ اس اثنا میں جب بھی کوئی جنگ ہو، حالات خراب ہوں، نہ پاکستانی عوام کو نقصان ہوتا ہے اور نہ ہی بھارتی عوام کو بل کہ ہمیشہ معصوم کشمیریوں کو نقصان ہوتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان حد متارکہ (لائن آف کنٹرول) پر عرصہ دراز سے کشیدگی جاری ہے جس میں کشمیریوں نے بے پناہ جانی و مالی نقصان اٹھایا ہے۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اکرم سہیل دونوں ملکوں کے درمیان اس حقیقت کو ایک قطعے میں یوں بیان کرتے ہیں:

دونوں آزماؤ پنجہ سرحد پر
وار کشمیریوں نے سہنا ہے

گولی اپنی ہو یا پرائی ہو
خون کشمیریوں کا بہنا ہے

آزاد کشمیر کی سیاست:

اکرم سہیل آزاد کشمیر میں بیوروکریسی کا خاصا معروف نام ہے۔ انھیں حکومتی ایوانوں میں بھی جھانک کر دیکھنے کا موقع ملا۔ بیوروکریسی میں طویل عرصہ گزرا۔ اس طرح اکرم سہیل نے آزاد کشمیر کے مختلف موضوعات کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ آزاد کشمیر کا آئین، آزاد حکومت کے حقوق، آزاد کشمیر کا پانی وغیرہ وغیرہ جیسے موضوعات کے تحت حقیقت کو عیاں کیا ہے۔ مثلاً ان کا ایک قطعہ بہ عنوان "کشمیر کے پانی کی ملکیت" میں دیکھیے:

نالہ صدیوں سے ہے دل گیر میرا
جسم بھی پا بہ زنجیر میرا
جس کے پانی پہ مرا حق ہی نہیں
کیسے کشمیر، وہ کشمیر میرا

آزاد کشمیر کے وسائل پر قبضہ گروپ کے خلاف اکرم سہیل ہمیشہ سرگرم عمل رہے ہیں اس کی گہری جھلک ان کے کلام میں نظر آتی ہے۔ ان کے کلام کے مطالعے سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وسائل پر قبضے سے کس قدر نالاں ہیں:

مرے دریاؤں کی باتیں، مرے اشجار کی باتیں
مرے یاقوت کی باتیں، مرے مرجان کی باتیں
جو ہو قومی وسائل لوٹنا مقصد ہی جب اُن کا

کہاں بھاتی ہیں ان کو قاعدہ قانون کی باتیں

آزاد کشمیر کے آئین پر اکرم سہیل گہری تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ اس آئین نے کشمیریوں کو اپنے وسائل سے محروم کر رکھا ہے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے بااختیار بنانے کے اعلان ہوتے رہتے ہیں جو کہ جھوٹے سپنوں کے مترادف ہیں مثلاً:

ہے یہ آئین کہ آئینہ دکھاتا ہے ہمیں
یعنی اوقات ہماریہ جتاتا ہے ہمیں
کر کے محروم سبھی قومی وسائل سے ہمیں
جھوٹے سپنے ہی ہمیشہیہ دکھاتا ہے ہمیں

آزاد حکومت اور بیورو کریسی کے درمیان رابطوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

مشوروں کی آڑ میں کرتے رہے سرگوشیاں
جن کو سمجھا یار تھا وہ بھی دغا دینے لگے
آنے والوں سے لگا رکھا ہے یارانہ ابھی
"جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"

حالات حاضرہ پر گہری نظر:

اکرم سہیل حالات حاضرہ پر گہری نظر جمائے ہوئے ہیں۔ اپنے گرد و پیش سے لے کر عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات کو نہ صرف مشاہداتی نظر سے دیکھتے ہیں بل کہ ان واقعات و حالات کو اپنے کلام میں بھی جگہ دیتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی مصلحت سے کام نہیں لیا۔ متاثرینِ منگلا ڈیم کے لیے ان کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

چھوڑی دھرتی، ڈبو دیں قبریں بھی
اور کئی بار شہر بھی اجڑے
نہ ملا کچھ صلہ وفاؤں کا
پھر بھی محفل میں اجنبی ٹھہرے

ہمارے ملک میں ضمیر کی دکان عرصہ دراز سے چمک اٹھی ہے۔ اس کا اظہار اکرم سہیل نے اپنی ایک نظم "ہارس ٹریڈنگ" میں خوب کیا ہے۔ ایسا ہی تماشا حال ہی میں ہونے والے پاکستان کے سینٹ انتخابات میں دیکھنے میں آیا:

کس طرح بکتا ہے بازارِ سیاست میں ضمیر
بے ضمیری سے شناسائی یہاں دیکھی ہے
تھوک کر چاٹنا سنتے ہی رہے اکثر
اپنی آنکھوں سے یہ رُسوائی یہاں دیکھی ہے

موجودہ حکمرانوں کے لیے نظام حکومت پر اکرم سہیل نے خوب طنز کیا ہے۔ وہ اس نظام کو اپنے مسلمانوں کے درخشاں ماضی کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس دور میں عدل و انصاف تھا۔ جنگ کا طریقہ بھی الگ تھا۔ ریاست کا سربراہ، تلوار تھامے سب سے آگے ہوتا باقی قافلہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا لیکن آج کا منظر نامہ اس کے برعکس ہے۔ ہمارے حکمرانوں کے بچے بیرون ممالک پُر آسائش محلوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور ہمارے غریبوں کے بچے ملک کی حفاظت پر مامور ہیں۔ اب جنگ کے نتیجے میں غریب عوام ہی نقصان سے دوچار ہوتی ہے:

جنگ کو امن پہ جو دیں ترجیح
ان کے حربوں کا کیا شمار کریں
اپنے بچوں کو بھیج کر یورپ
میرے بچوں کا اب شکار کریں

پاکستان کے صوبہ سندھ کے علاقے تھرپارکر میں گزشتہ کئی برسوں سے غذائی قلت کے باعث بچوں کی ہلاکتیں ہو رہی ہیں۔ اس کی بڑی وجہ غذائی قلت اور خوراک کی عدم دستیابی ہے۔ ایک اور وجہ ٹرانسپورٹ کی سہولیات کا معدوم ہونا ہے۔ حکمران طبقہ ان معصوم بچوں کی اموات پر بے حس ہے۔ تھرپارکر کا ضلع کربلا کا منظر پیش کرتا ہے تو کیسے ہو سکتا ہے اکرم سہیل جیسا شخص جو حالات حاضرہ پر گہری نظر جمائے ہوئے ہے اس کی نظر سے تھرپارکر کے یہ حالات اوجھل رہیں اور ان کو نظم نہ کرے۔اس حوالے سے ان کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

ہر زمانے کی کربلا اپنی
ہر شہر میں یزید ہوتے ہیں
تھرپارکر میں بھوکے جو مرتے ہیں بچے
آج کے یہ شہید ہوتے ہیں

اکرم سہیل کو معمولی واقعات سے لے کر اہم ملکی و بین الاقوامی نوعیت کے واقعات کو شعری قالب میں ڈھالنے کا خاص ملکہ حاصل ہے۔ان کا قلم ایسے واقعات کو نظم کرنے پر خوب چلتا ہے۔ مثلاً پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں جیب کتروں کا عام رواج ہے۔ خصوصاً لاہور میں تو اِن تجربے کار جیب کتروں سے

تو مشکل ہی کوئی بچ پائے۔ جیب کتروں کی خبریں تو معمول بن چکی ہیں۔ مگر ایک ایسے طبقے کی جیب کاٹنا جو ملک و قوم کو لوٹتا ہے، خاص اہمیت رکھتا ہے۔ لاہور میں سیاسی رہنماؤں کی جیبیں کٹنے کے واقعے پر اکرم سہیل کہتے ہیں:

قوم کی کاٹتے ہیں جو جیبیں
ان کی جیبیں کٹی ہیں پہلی بار
جیب کترو تمھیں مبارک ہو
بدلہ ان سے لیا پہلی بار

موجودہ دور میں اکثر سیاست دان سیاست کو کاروبار کے طور پر سمجھتے ہیں۔ اور سرعام اس کاروبار کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ اکرم سہیل کی ایک نظم "سیاست بہ طور کاروبار" سیاست کے تمام تر اصولوں اور دعوؤں سے پردہ چاک کرتی ہے۔ اس میں اکرم سہیل سیاست دانوں کا اصل نقشہ واضح کرتے ہیں:

یہ کارِ سیاست فقط کارِ تجارت
اس میں نہ کوئی بات اصولوں کی کیا کر
اب اور بنی ہے یہ کمائی کا ذریعہ
جو مال لگایا ہے، کمایا بھی کیا کر

اسی طرح تحریک انصاف کے آزادی مارچ ۲۰۱۴ء کے حوالے سے ان کی نظم سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

ہر نئے وعدے پہ ناچے ہے یہ قومِ خوش گماں
ہر نئے نعرے پہ مر مٹتی ہے یہ خلقِ خدا

اکرم سہیل نے سیاست دانوں کو اپنی شاعری میں خوب جگہ دی ہے ان کی پالیسیوں کو حرفِ تنقید بنایا ہے۔ مثلاً عمران خان کے "نئے پاکستان" کا حوالہ اس قطعہ میں دیکھیے:

روح اک فسطائی کی کیسے بھٹک آئی یہاں
لہجہ ہے ہٹلر کے جیسا اس مرے کپتان کا

گالیوں سے وہ نوازیں، اختلاف رائے پر
یہ نیا کلچر ہے آیا، نئے پاکستان کا

اکرم سہیل سیاست دانوں کو اور ٹھیکے داروں کے تعمیر وترقی کے نام سے ملکی خزانے کو لوٹنے کے اس ظلم و استحصال کے خلاف جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں طبقاتی نظام کے خلاف کھلا اعلان جنگ ہے۔ ملکی خزانے کو لوٹنا ان سیاست دانوں کا وتیرہ بن چکا ہے:

تعمیر و ترقی تو بس ایک بہانہ ہے
آیا ہے جو قابو میں یہ ملکی خزانہ ہے
ٹھیکوں میں کمیشن ہی منشور ہے بس ان کا
ان بھوکے لٹیروں کا اتنا سا فسانہ ہے

طنز و مزاح:

اکرم سہیل ایک سنجیدہ گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مزاحیہ شاعر بھی نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں طنز و مزاح کے نمونے نمایاں ہیں ان کی دیگر

شاعری کی طرح مزاحیہ شاعری میں بھی فکری گہرائی موجود ہے۔ان کے ہاں خط پیشِ ہر پر طنز کی مثال دیکھیں:

خطیب شہر کی بابت نہ کچھ کہو رندو
بہت ہی سادہ طبیعت حضور رکھتے ہیں
زبان سے ان کے یہ مژدہ نہیں سناتم نے
ہر ایک سجدے کے بدلے میں حور رکھتے ہیں

طنز و مزاح میں شاعری ہر کس و نا کس کے بس کی بات نہیں یہ مشکل ترین فن ہے۔ اس میں ادیب کو ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے مزاح تخلیق کرنا پڑتا ہے جو زمینی حقائق کا مشاہدہ بھی رکھنے کے ساتھ مزاحیہ لے بھی رکھتا ہو۔ جہاں مزاح نمو پاتا ہے وہاں ہنسی لازماً جنم لیتی ہیے۔ مزاح نگار اس ہنسی مسکراہٹ میں معاشرے کی ناہمواریوں کو عیاں کر دیتا ہے۔ حقیقت کا علم بھی ہو جاتا ہے۔ اور کسی کو بات ناگوار بھی نہیں لگتی۔ یہ وصف اکرم سہیل کی ذات کا بھی خاصا ہے۔

اکرم سہیل چوں کہ حالات حاظرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔اس لیے عصر حاضر کی ٹیکنالوجی کے اثرات اور اس کے نتائج سے بہ خوبی آگاہ ہیں۔ اس حوالے سے ایک قطعے میں لطیف مزاح پیدا کرتے ہیں۔ جو الفاظ و معانی کے اعتبار سے جدت کا حامل ہے:

فون سے لاکھ وہ بہتر تھے کبوتر میرے
راز ان سے کبھی بھی تو نہ باہر نکلے
اپنی ہر ایک گلائی سے ہشیار رہو
جانے کس وقت ترے فون سے میسج نکلے

طنز و مزاح کے لیے اعلا پائے کی ذہانت کا ہونا لازمی امر ہے۔ اکرم سہیل کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے نوازا ہے۔ ان کے مزاح میں آس پاس کے موضوعات بھی ہیں۔ ان کا ایک مزاحیہ قطعہ "سیلف اور سیلفی" کے عنوان سے دیکھیے:

اقبال کا تھا درسِ خودی سیلف کی تلاش
بحرِ خودی میں اب کہاں کھاتے ہیں ڈبکیاں
ڈھونڈا ہے اب جوانوں نے آسان راستہ
اب سیلف کی بہ جائے بناتے ہیں سیلفیاں

قطعات نگاری:

اکرم سہیل کی پسندیدہ صنف معلوم ہوتی ہے۔ مختلف اور متنوع موضوعات کے تحت انھوں نے ظریفانہ قطعات لکھے ہیں۔ ان کے کچھ قطعات میں تضمین سے بھی مزاح پیدا کیا گیا ہے مثلاً موبائل فون کے حوالے سے ایک خوب صورت قطعہ ملاحظہ ہو:

زندگی میں کبھی مشکل جو مقام آتے ہیں
سارے پیغام وفا بن کے جفا آتے ہیں
مجھ سے مانگو نہ میرا فون اے ظالم لوگو
"اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں"

اکرم سہیل نے بہت سے موضوعات کو اپنے ظریفانہ رنگ سے عیاں کیا ہے بل کہ سیاست، بیوروکریسی، سیاست دانوں کے جلسے، حکومتی پالیسیاں، کشمیر

پالیسی، وغیرہ پر طنز کی چوٹ کستے ہیں اور صورتِ واقعہ سے مزاح پیدا کیا ہے۔اس حوالے سے ایک قطعہ بہ عنوان ”شادی کا اعلان“ پیش کیا جاتا ہے:

ہے وزیراعظم بننا تاکہ شادی کر سکوں
فاتحانہ لہجہ تھا کپتان کی تقریر کا
بھر دیا تھا جوش دھرنے میں اسی اعلان سے
”سینہ شمشیر سے باہر تھا دَم شمشیر کا“

اکرم سہیل اُردو زبان کے علاوہ بھی دیگر زبانوں کا استعمال کر کے مزاحیہ شاعری تخلیق کرتے ہیں۔ ان کی ایک خوب صورت پہاڑی نظم ”ایک وزیرے نال گفتگو“ قابل غور ہے۔اس نظم میں انھوں نے لطیف پیرائے میں حقیقت عیاں کی ہے۔مثلاً ایک بند ملاحظہ ہو:

تے آکھن لگے کم کرائے
بھانجے، بھتیجے بھرتی کرائے
لوکاں نوں وی سمجھ نہ آئی
فوناں اِدھر، بھرتی اُدھر

اور اسی نظم میں سیاست دانوں کے پارٹی ٹکٹ تقسیم کرنے کی انوکھی رسم کا معیار بھی نمایاں ہے اس میں محنت اور قابلیت کو پسپشت ڈال دیا جاتا ہے۔اس حقیقت کو اس بند میں کھول کر بیان کیا ہے:

منشوراں دی گل نہ کائی
لیڈراں گھمن گھیری پائی

دبڑ　　گھسڑ　　خوب　　مچائی

نوٹاں　　جدھر،　　نکٹاں　　اُدھر

اسی طرح مزاح پیدا کرنے کی غرض سے پہاڑی اور پنجابی زبان کے الفاظ بھی اپنے کلام میں نظم کرتے ہیں:

عشق نے کیا نڈھال کہ اٹھنا مشکل ہے
گوڈے ہوئے بے حال کہ اٹھنا مشکل ہے
لک میں کل سے ایک کڑاکا نکلا ہے
تو ہی مجھے سنبھال کہ اٹھنا مشکل ہے

مزدور کا درد:

مزدوروں کے درد کو محسوس کرنا، غریب کی پکار اکرم سہیل کا خاص وصف ہے۔ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ پسا ہوا طبقہ مزدور کا طبقہ ہے۔ مزدور سال ہا سال محنت و مشقت کرنے میں مگن رہتے ہیں حتیٰ کہ "یومِ مزدور" کے موقع پر بھی مزدور کام میں مصروف ہوتے ہیں۔ حالاں کہ "یومِ مزدور" پر باقی سبھی شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ چھٹی کرتے ہیں مگر مزدوروں کے لیے وہ دن بھی چھٹی کا نہیں ہوتا۔ اور یہ غریب طبقہ ہی محض اتفاق سے ایک ہیں وگرنہ کوئی پنجابی، کوئی سندھی اور کوئی بلوچی بنے بیٹھے ہیں۔ اکرم سہیل بلوچستان میں پنجابی مزدوروں کے مسائل پر لکھتے ہیں:

غریب ایک ہیں، سندھی، بلوچی، پنجابی
لطیف نکتہ کبھی یہ سمجھ بھی پاؤ گے

رنگے ہیں ہاتھ غریبوں کے خون سے تم نے
غریب مار کے کیا انقلاب لاؤ گے

اس کے علاوہ اکرم سہیل نے مزدوروں کی حمایت میں ایک مکمل نظم "ارے بولو تو کچھ بھائی" لکھ کر ان کے درد میں شریک ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے ایک اور ان کی نظم "میں ہاری اوکاڑے کا" ہے۔ جس میں غریبوں کی داستان رقم کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میں ہاری اوکاڑے کا
صدیوں کی غلامی کا
میں بوجھ اٹھائے پھرتا ہوں
پیدا میں ہوا دھرتی پہ یونہی
اک فردِ بے مایہ کی طرح
کہ کھیتوں اور کھلیانوں کو
سیراب کروں خوں سے اپنے
محنت کے اپنی، پسینوں سے
پھل جس کا ہے ممنوع مجھے

فنی جائزہ:

اکرم سہیل کے فکر کی گہرائی کے ساتھ ساتھ فنی لوازم بھی موجود ہیں۔ اُردو ادب کے ہر بڑے شاعر کے ہاں فنی عناصر بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اُردو کے بڑے بڑے شعرا نے کلام میں صنعتوں کا استعمال جس دل کشی کے ساتھ کیا ہے اسی قدر ان کے کلام میں خوب صورتی اور نکھار پیدا ہوا ہے۔ اکرم سہیل کے

ہاں اگرچہ فکری گہرائی کے مقابل فنی سطح قدرے کم ہے اس کے باوجود انھوں نے بنیادی فنی لوازمات کو اپنے کلام کی زینت بنایا ہے۔ یہ لوازمات غیر دانستہ طور پر ان کے کلام میں استعمال ہوئے ہیں۔ جب کوئی شاعر اپنے کلام میں ان محاسن کو زیرِ استعمال لاتا ہے تو اس وقت اس کا خیال نہیں رکھتا بل کہ وہ اپنے خیال کو شعری قالب میں ڈھالتا جاتا ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا تعین ہوتا ہے کہ کلام میں فنی خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں۔ اکرم سہیل کے ہاں صنائع و بدائع کا استعمال کسی حد تک نظر آتا ہے جو ان کے فنی کمال کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ایک شاعر کے کلام میں قدرت، خوب صورتی، تاثر اور جاذبیت پیدا کرنے کے لیے صنائع و بدائع پر مکمل عبور حاصل ہونا ضروری ہے۔ اکرم سہیل کے کلام میں یہ خصوصیات موجود ہیں۔

تشبیہات:

تشبیہ کے لغوی معنی ہیں ایک چیز کو دسری چیز کے مانند ٹھہرانا، اصطلاح میں تشبیہ سے مراد ایک چیز کو کسی خاص صفت کی بنا پر کسی دوسری چیز کی مانند قرار دینا۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق:

> ”کسی فرد یا چیز کی منفی یا مثبت خصوصیات واضح کرنے کے لیے اسے زیادہ اچھی یا زیادہ بری، زیادہ خوب صورت یا زیادہ بد صورت، ارفع یا ادنیٰ جیسا قرار دینا۔ جیسے آنکھوں کی خوب صورتی کے لیے آہو چشم کہیں گے لیکن بد نما آنکھوں کو ”گاؤ چشم“ قرار دیا جاسکتا ہے۔“ (۲)

تشبیہ اُسلوب کا زیور ہوتا ہے۔ حسن بیان اور طرز ادا کو موثر بنانے کے لیے تشبیہ بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ تشبیہات کو کلام کی اثر انگیزی بڑھانے کے لیے اساتذہ سخن نے بھی خوب برتا ہے۔ میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ کے کلام میں اس کی خوب صورت اور نادر مثالیں موجود ہیں۔ چوں کہ آزاد کشمیر کے شعرا کے ہاں بھی تشبیہات کو خوب صورتی کے ساتھ برتا گیا ہے۔ اکرم سہیل بھی دیگر شعرا کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے کلام میں تشبیہات سے تاثیر بڑھانے کی سعی کرتے ہیں۔ بہ ذیل چند شعری مثالیں ملاحظہ کیجیے جن میں تشبیہ کا استعمال موجود ہے:

دل غموں کے پہاڑ ہوں جیسے
لب تو ساکت ہیں، آنکھیں روتی ہیں

تیری آنکھوں کے کنول کھلتے ہیں ویرانوں میں
محفلِ عیش و طرب، تیرا مقام اے ساقی

چاند تاروں کی طرح بزم سجائیں پھر سے
شبِ تاریک ہیں اک شمع جلائیں پھر سے

برف کی شال اوڑھ کے پربت
آسمانوں سے مل رہے ہیں جہاں

جو بِک رہا ہو یوں ماں کا آنچل
کوئی تو عزت، کوئی تو غیرت

استعارات:

استعارات کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز کسی سے مستعار لے لینا، مانگ لینا۔ اصطلاح میں کسی ایک چیز کو مشترک لوازمات، خصوصیات کی بنا پر بعینہٖ دوسری چیز سے منسوب کرنا یا قرار دے دینا استعارہ کہلاتا ہے۔ لفظ کو مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کرنا کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق موجود رہے۔ پروفیسر ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کے مطابق:

"استعارہ کے لغوی معنی کسی سے کوئی چیز عاریتاً طلب کرنے کے ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح میں استعارہ سے مراد وہ لفظ ہے جو مجازی معنوں میں استعمال ہو اور اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو۔" (۳)

استعارہ کا استعمال کلام میں خوب صورتی اور حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ تشبیہات و استعارات شاعری کی جان تصور کی جاتی ہے۔ شعرائے اُردو نے کلام میں استعارات کے استعمال سے خوب صورت معنی آفرینی پیدا کی ہے۔ اُردو کے تمام شعرا کے ہاں مثلاً کلاسیکی شعرا سے لے کر آج کے جدید شعرا تک استعارے کا استعمال عام ملتا ہے۔ اکرم سہیل نے بھی اس روایت کی پاس داری کرتے ہوئے اپنے کلام میں کہیں کہیں استعارات کا استعمال کرتے ہیں مثال کے طور پر:

اے حسینہ! تو وارداتی ہے
کیسے گھونگٹ نکالے بیٹھی ہے

میرے محبوب کا انداز بھی بازاری ہے
میری ہی جیب پہ ہی مامور ہوا ہو جیسے

درج بالا اشعار میں پہلے شعر میں کشمیر کو نسل کے لیے حسینہ اور دوسرے شعر میں محبوب کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔

مجازِ مُرسل:

کلام میں کسی لفظ کو لغوی معنی کے بر خلاف کسی اور معنی میں اس طرح استعمال کرنا کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ مشترک نہ ہو۔ پروفیسر انور جمال مجاز مرسل کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"لفظ کو غیر حقیقی (مجازی) معنوں میں اس طرح استعمال کرنا کہ حقیقی اور مجازی معنوں کے درمیان تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو مثلاً تلوار سے اقتدار، طاقت، غضب یا دشمنی مراد لینا"(۴)

کلام میں فصاحت و بلاغت کے لیے مجازی معنوں کی تشکیل میں مجاز مرسل کو خاص مقام حاصل ہے کیوں کہ مجاز مرسل میں تشبیہ کا علاقہ نہیں ہوتا بل کہ لغوی اور مجازی معنوں میں کچھ اور رمز و اشارے موجود ہوتے ہیں۔ اکرم سہیل کے ہاں بھی مجاز مرسل کی مثال دیکھی جا سکتی ہے:

وقت نے ہٹایا ہے اُن کے چہروں سے پردہ
کتنا بغض تھا ان کی جعلی مسکراہٹ میں

صنعتوں کا استعمال:

اُردو کے تمام شعرا نے کلام میں صنعتوں کا استعمال کیا ہے۔ اکرم سہیل نے بھی دیگر شعرا کی طرح صنعتوں کو اپنے کلام میں خوبی سے جگہ دی ہے۔ اگرچہ اکرم سہیل نے کثرت سے صنعتوں کا استعمال نہیں کیا لیکن جو کیا ہے نہایت خوبی سے برتا ہے۔

صنعت تلمیح:

تلمیح اُردو کی معروف صنعت ہے۔ شعرائے اُردو نے اس صنعت کو خوب استعمال کیا ہے۔ تلمیح کی اصطلاح علم بدیع کے ذیل میں آتی ہے۔ اُردو شاعری میں کسی واقعہ کو خاص ترکیب میں یوں بیان کر دینا کہ پورا منظر یا واقعہ آنکھوں کے سامنے آجائے تلمیح کہلاتا ہے۔ مزید بر آں کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا یا ایسے مضامین کا لانا جن میں کسی واقعہ یا قصے، علمی مسئلے کی طرف اشارہ ہو علم بدیع کی اصطلاح میں تلمیح کہلاتا ہے۔ ابوالاعجاز صدیقی کے مطابق:

> "کلام میں کسی فرضی یا تاریخی واقعے، کسی آیت قرآنی، یا کسی مشہور شعر کی طرف اشارہ کرنا یا نجوم، موسیقی، ریاضی وغیرہ علوم کی اصطلاحات استعمال کرنا صنعت تلمیح کہلاتا ہے" (۵)

تلمیح دراصل وہ الفاظ ہوتے ہیں جو کسی خاص واقعے سے تعلق رکھتے ہو اور پھر مستقل طور پر اس وقوع کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً برادرِ یوسف یا چاہِ یوسف کی تراکیب سامنے آتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ ہمارے ذہن میں آجاتا ہے۔ اُردو شاعری میں اقبالؔ اور غالبؔ کے ہاں خوب صورت اور دل کش تلمیحات کا استعمال ہوا ہے لیکن اقبال کی تلمیحات زیادہ

معروف ہیں۔ اکرم سہیل نے اس روایت کی پاس داری کرتے ہوئے اپنے کلام میں تلمیحات کا استعمال کیا ہے مثلاً:

مصلحت کوش ہیں سب عشق کے بازاروں میں
دے اناالحق کی صدا، ایسا امام اے ساقی

تاریخ میں حسین بن منصور کے نعرے "اناالحق" کی بہت اہمیت ہے۔ "اناالحق" کی یہ دولت خود کو پھانسی کے لیے اس نے تیار کر دیا۔ اکرم سہیل نے اس تلمیح کو مختلف زاویوں سے اپنے کلام میں سمویا ہے۔ مثلاً ان اشعار سے ان کی تلمیحات ملاحظہ ہو:

دشت ہے بے اماں، تو کیا غم ہے
لٹ گیا کارواں، تو کیا غم ہے
رسمِ منصور کی ہے لاج رکھی
سر ہے نوکِ سناں تو کیا غم ہے

مزید یہ اشعار ملاحظہ ہو:

کیا عجب بات ہے اے کاتبِ تقدیر تری
جام، پیاروں کو اناالحق کا پلا دیتے ہو
اور بدل دیتے ہو پھر معنیِ موت و حیات
زندہ رکھنا ہو تو سُولی پہ چڑھا دیتے ہو

اسلامی تاریخ سے اکرم سہیل کی گہری واقفیت اس شعر میں بھی اور دیگر کئی اشعار میں عیاں ہوتی ہے۔ شعر دیکھیے:

تم خدائی کا کرو دعویٰ ، بہ مثل نمرود
لہجہ ایسا ہے تمھارا کہ خدا ہو جیسے

تلمیح کے حامل مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

جیسے موسیٰؑ کو طور پر وہ ملا
گر ملے، یوں ملا کرے کوئی

تجھی کو گوتمؒ و نانکؒ بھی ڈھونڈنے نکلے
کبھی تو طور کو موسیٰؑ تیری طلب میں چلے

نئے رہزن یہاں پہ آدھمکے
کچھ تھے اُن میں برادرانِ یوسفؑ

صنعت ترافق:

صنعت ترافق نسبتاً ایک مستقل صنعت ہے اور اُردو شعرا کے ہاں ایسے اشعار مل ہی جاتے ہیں جن میں ترافق پائی جاتی ہے۔ اس سے مراد اگر شعر کے مصرع اولیٰ کو مصرع ثانی اور مصرع ثانی کو مصرع اولیٰ کی جگہ استعمال کر لیا جائے تو اس کے معنی و مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور مفہوم برقرار رہتا ہے۔ فرہاد احمد فگارؔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"ترافق سے مراد کسی بھی شعر کے مصرع اولیٰ اور مصرع ثانی کی ترتیب بدل دینے کے باوجود شعر با معنی رہتا ہے اور اکثر اوقات اس نے معنی و مفہوم میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتا"(۶)

صنعت ترافق کا استعمال اساتذہ سخن کے ہاں بھی ملتا ہے۔ بلاشبہ اس صنعت کو برتنا بھی مشکل فن ہے۔ اکرم سہیل کے کلام میں دیگر صنعتوں کے ساتھ ساتھ صنعت ترافق کی بھی کمی نہیں۔ان کے کلام میں ایسے اشعار وافر مقدار میں مل جاتے ہیں جن میں صنعت ترافق کا استعمال خوب صورتی سے برتا گیا ہے:

ہم نے پھولوں کو بہاروں میں بھی جلتے دیکھا
یوں بہاروں کو نہ گلشن میں اتارا کیجیے

اب اگر اس شعر کی ترتیب بدل کر بھی دیکھا جائے تو بھی معنی و مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا:

یوں بہاروں کو نہ گلشن میں اتارا کیجیے
ہم نے پھولوں کو بہاروں میں بھی جلتے دیکھا

ایسے ہی صنعت ترافق کے حامل مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

دل کو میرے کوئی جاگیر بنا رکھا ہے
بے بسی کی کوئی تصویر بنا رکھا ہے

یہ عجب ہے سخن، کچھ نہ بولیں مگر
ان کی آنکھوں میں ہے موجزن شاعری

یہ لہو پھول بن کے کھلتا ہے
پھول جو اس لہو سے کھلتے ہیں

حبس میں ابرِ کرم اور گھٹا کی صورت
بے سہاروں کے لیے دستِ دُعا کی صورت

صنعت تضاد:

صنعت تضاد بھی اُردو کی مقبول ترین اور اہم ترین صنعت کے طور پر جانی اور مانی جاتی ہے۔ صنعت تضاد کو صنعت طباق یا صنعت بقت بھی کہتے ہیں۔ کلام میں ایسے الفاظ لانا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں یا ان کے معانی متضاد ہوں۔ یہ تضاد حروف میں بھی ہو سکتا ہے، اسما میں بھی اور افعال میں بھی۔ مثلاً "روزوشب"، "عام و خاص"، "یہ، وہ"، "سے، تک" وغیرہ۔ ابوالاعجاز صدیقی اس صنعت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''علم بدیع کی اصطلاح میں تضاد کے معنی ہیں ایسے الفاظ استعمال میں لانا جن کے معنی ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہوں۔ اس صنعت میں تضاد سے مراد عام معنی ہی''(۷)

ادبی اعتبار سے تضاد کلام کا ایسا حسن ہے جو متضاد الفاظ کے استعمال سے جنم لیتا ہے اور اس سے کبھی سنجیدہ اور کبھی غیر سنجیدہ صورتِ حال پیدا ہوتا ہے۔ جس سے کلام کے تاثر اور تفہیم کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تضاد کی صنعت کلام کی تفہیم کے ساتھ ساتھ کلام میں موسیقیت اور ترنم میں بھی اضافہ کرتی ہے۔ یہی وجہ سے کہ اُردو کے اکثر و بیشتر شعرا نے دانستہ و غیر دانستہ طور پر اس صنعت کو اپنے کلام میں جگہ دی ہے۔ دیگر شعرائے اُردو کی طرح آزاد کشمیر کے شعرا

بھی اس صنعت سے بہرہ ور ہیں۔ اکرم سہیل کے کلام میں اگر دیکھا جائے تو اس صنعت کے حامل کئی اشعار مل جاتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اکرم سہیل کو اس صنعت کے استعمال پر کس قدر قدرت حاصل ہے۔ ان کے کلام سے تضاد کے حامل اشعار ملاحظہ ہوں:

آج تک بیچتے رہے غیرت
کل ہمیں بھی یہ بیچ کھائیں گے

تھے مخالف جو اس ملک کی تخلیق کے وہ
ملک و ملّت کے نگہباں وہی ٹھہرے ہیں

کون غدار ہیں اور کون محبانِ وطن
بانٹنے والے یہ اسناد، وہی ٹھہرے ہیں

جس بستی سے ربّ ہو رُوٹھا
کیسے کہوں وہ بستی ہے

آٹا چینی ہو گئے مہنگے
موتیہاں پر سسکتی ہے

شکست و فتح کا معیار جانچنے والو
فرازِ دار کی تاریخ بھی تو تم دیکھو

دائیں بائیں ان کے دیکھو سب ہی ہیں سرمایہ دار
لوٹنے مزدور کی محنت کو ہیں برملا

ایک دن ظلمتِ شب صبح بداماں ہو گی
فرد بے مایہ بھی پھر شوکتِ انساں ہوں گے

آج ہی چاٹ لے، شاید نہ ملے موقع کل
آج کا کام بھی کیوں کل پہ اٹھا رکھا ہے

ان اشعار میں آج اور کل، غدار اور محبان، مہنگے اور سستی، شکست و فتح، دائیں اور بائیں، سرمایہ دار اور مزدور، ظلمتِ شب اور صبح بداماں، ایک دوسرے کے تضاد معانی رکھتے ہیں۔

صنعتِ مراعات النظیر:

صنعت مراعات النظیر اُردو شاعری کی معروف صنعت ہے۔ اس صنعت کے استعمال سے جہاں کلام میں دل کشی میں اضافہ ہوتا ہے وہیں شاعر کے فن کا احساس بھی ہوتا ہے۔ شاعر محض شاعر ہی نہیں ہوتا بل کہ وہ ایک فن کار اور مصور بھی ہوتا ہے۔ شاعر محض شاعر کے ہاں مختلف لفظی تصاویریں پائی جاتی ہیں جن میں ایک پہلو سے دوسرا پہلو جڑا ہوتا ہے۔ شعر میں کسی ایک چیز کی

مناسبت سے کچھ اور چیزوں کا ذکر کرنا صنعت مراعات النظیر کہلاتا ہے۔ مگر اس مناسبت میں تضاد اور تقابل کا تعلق نہ ہو۔ جیسے بہار کی نسبت سے گُل و بلبل، سبزہ اور باغ باں وغیرہ۔ دریا کی نسبت سے موج، کشتی، بھنور، مچھلی، پانی وغیرہ اور اسی طرح آسمان کی نسبت سے چاند، ستارے، سورج، بارش، بادل وغیرہ کا استعمال کرنا۔ پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں:

> "مراعات النظیر کو توفیق، تلفیق اور ایتلاف بھی کہتے ہیں۔ مراعات النظیر اس صنعت کاری کا نام ہے جس کے ذریعے کلام میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن کے معنوں میں ایک خاص مناسبت اور تعلق ہو، لیکنیہ مناسبت و تعلق، تقابل و تضاد کے نہ ہوں۔"(۸)

شعرا کے کلام میں اس صنعت کا استعمال ہونا ان کے فنی چابک دستی کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس صنعت کے ذریعے سے کلام کے حسن کو دوبالا کیا جا سکتا ہے۔ اکرم سہیل کے ہاں صنعت مراعات النظیر کا استعمال جابہ جا نظر آتا ہے اس سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اکرم سہیل کو اس صنعت کے استعمال پر مہارت حاصل ہے۔ ان کے کلام سے مراعات النظیر کے حامل اشعار ملاحظہ ہوں:

جس کے پینے سے مرے ہوش و خرد لوٹ آئیں
ایسی مے، ایسا سبو، ایسا ہو جام اے ساقی

تیرے گل رنگ چمن زار شگفتہ گل زار
ان کا مقسوم کیوں میرے مقدر میں نہیں؟

مے خانے کا یہ طور بدلنے کے لیے آج

ٹوٹیں گے کئی ساغر و جم اور زیادہ

درج بالا اشعار میں سے پہلے شعر میں پینے کی نسبت سے مے، سبو اور جام کے الفاظ مراعات النظیر کی مثالیں ہیں۔ اسی طرح باقی اشعار میں بھی اس صنعت کو دیکھا جا سکتا ہے۔

صنعتِ تکرار:

دو الفاظ کو جو ایک ہی طرح معنی رکھتے ہوں، مصرعے یا شعر میں برابر برابر لانا جس سے کلام میں حسن اور ترنم پیدا ہو صنعت تکرار کہلائے گا۔ علم بدیع کی رو سے کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن کی تکرار سے کلام میں زور اور حسن پیدا ہو جائے۔ کلام میں ترنم اور غنائیت پیدا کرنے کے لیے شعرا نے جہاں مترنم بحروں اور اوزان کا استعمال کیا ہے وہاں تکرار حرفی و تکرار لفظی سے بھی خوب کام لیا ہے۔ اُردو ادب کے تمام بڑے اساتذہ شعرا کے ہاں بھی تکرار لفظی کا رواج عام رہا ہے۔ مترنم الفاظ کے چناؤ اور ان کے تکرار سے جہاں حسن اور دل کشی پیدا ہوتی ہے، وہاں شعر کی معنویت میں حسن اور خوب صورتی شدت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے تکرار لفظی کے اہتمام و استعمال سے شعر میں صوری اور معنوی خوبیوں کا وصف پیدا ہوتا ہے۔ اس سے کلام میں ترنم اور موسیقیت پیدا کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

اُردو کے تمام بڑے شعرا نے الفاظ کے اس رکھ رکھاؤ سے خوب استفادہ کیا ہے۔ اکرم سہیل کے کلام میں بھی تکرار لفظی و حرفی کا استعمال اشعار

کی صوری اور معنوی خوبیوں اور موقع محل کی مناسبت سے کلام میں اثرانگیزی کا موجب بنتا ہے۔ اکرم سہیل کے کلام سے اس خوبی کے حامل چند اشعار بہ طور نمونہ دیکھیے:

کچھ نہ ہو پاس نئی بات اگر لڑنے کو
یاد کر کر کے لڑائی کو لڑائی کرنا

جاتے جاتے سلام لے جاؤ
دل کے ہاتھوں پیام لے جاؤ

اعلا ماہر ہیں جو کرپشن کے
اعلا عہدوں پہ وہ ہی آئیں گئے

یہ نہیں مشکل بات اتنی بھی
پھر بھی کم کم سمجھ میں آتی ہے

گو زمانے کے ساتھ ساتھ چلے
لیکن اکثر رہے جدا جدا ہم لوگ

صنعت سیاق الاعداد:

سیاق اعداد بھی اُردو کی معروف صنعت ہے۔ شعرائے اُردو نے اس صنعت کو بھی کلام کی خوب صورتی میں اضافے کے لیے برتا ہے۔ علم بدیع کی رو

سے کلام میں اعداد کو استعمال میں لاناخواہ ان کی تعداد کم ہو یا زیادہ مزید بر آں اشعار میں چیزوں کو جمع کرنا۔ سید عابد علی لکھتے ہیں:

"کلام میں اعداد کا ذکر کرنا جیسے:
ایک دو تین چار پانچ چھے،
سات آٹھ نو دس ہوتے ہیں انتالیس"(۹)

اُردو کے بڑے بڑے دیگر شعرا کی روایت کو بر قرار رکھتے ہوئے اکرم سہیل نے بھی اس صنعت کو خوبی کے ساتھ اپنے کلام کی زینت بنایا ہے۔ اکرم سہیل کے کلام میں اس صنعت کی مثالیں بہ ذیل اشعار میں ملاحظہ ہوں:

نام انقلاب پہ دھوکہ ہوا ہزار بار
کہتے ہیں جس کو انقلاب، ہوتا ہے ضدِ انقلاب

قافلہ وہ اور تھا، قافلہ یہ اور ہے
وہ تھا دجلہ و فرات یہ ہے راویاور چناب

نظام چرخ ہے بدلا ہزار بار یہاں
مگر نہ بدلا مقدر کبھی غریبوں کا

یہ تیرے نام ہزاروں، ہزار رنگ ہوئے
تمھارے چاہنے والے تمھارے سنگ ہوئے

اور آخر پر ایک مزاحیہ قطعہ ملاحظہ ہو جس میں اس صنعت کو استعمال کیا ہے۔

فون سے لاکھ وہ بہتر تھے کبوتر میرے
راز ان سے کبھی بھی تو نہ باہر نکلے

اپنی ہر ایک گلائی سے ہشیار رہو
جانے کس وقت ترے فون سے میسج نکلے

صنعت تجنیس مضارع:

صنعت تجنیس کا مطلب شعر میں ایسے الفاظ لانا جو کتابت اور حروف کی تحریر و ترتیب میں ایک جیسے ہوں لیکن معانی میں مختلف ہوں۔ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق:

> "ایک ہی لفظ کو مختلف معانی میں استعمال کرنا اس صورت میں کہ لفظ کا املا برقرار رہتا ہے لیکن معانی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تجنیس جنس سے حاصل کیا گیا ہے۔یعنی ایک جنس کے الفاظ کا استعمال جیسے مار (سانپ) مار (فعل) پلنگ /پلنگ (چیتا) نشان/نشان (علم) سخن/ سخن(شاعری)"(۱۰)

اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ تجنیس مضارع بھی تجنیس ہی کی ایک صورت ہے۔ جس طرح تجنیس تام، تجنیس خطی، تجنیس محرف، تجنیس زائد وناقص وغیرہ تجنیس کی مختلف صورتیں ہیں۔ تجنیس مضارع بھی اُردو شاعری کی عام صنعت ہے۔ تجنیس مضارع سے مراد یہ ہے کہ شاعری میں دو ایسے الفاظ کا لانا جن میں صرف ایک حرف کا فرق ہو مثال کے طور پر خون اور جون میں "خ" اور "ج" کا فرق ہے۔اسی طرح برف اور حرف میں "ب" اور

"ح" کا فرق تجنیس مضارع ہے۔ تجنیس چوں کہ ایک مشکل ترین فن ہے اس لیے بہت کم شعرا کے ہاں یہ پایا جاتا ہے۔ اکرم سہیل کے ہاں تجنیس کی مثال تو عنقا ہے تاہم تجنیس مضارع کی مثالیں ان کے کلام میں موجود ہیں:

ہمیں نے تو کھانا ہے اس قوم کو
بنانا ہے پتھر پھر اس موم کو

درج بالا شعر میں "قوم" اور "موم" میں تجنیس موجود ہے۔ ق اور م کے یک حرفی فرق کو دیکھا جاسکتا ہے۔

ان ظلم کے مارے لوگوں کی
اور جبر سے ہارے لوگوں کی
سنتا ہے یہاں پر کون صدا
اے فیضؔ ہمیں کچھ تو ہی بتا

یہ تیرے نام ہزاروں، ہزار رنگ ہوئے
تمھارے چاہنے والے تمھارے سنگ ہوئے

یہ آج پھر ہے تماشائی ان ہی حوالوں کا
جواب ڈھونڈنے آیا ان ہی سوالوں کا

اُن کی باتوں میں بشر کا تو بیاں تک بھی نہیں
اِن کی راتوں میں سحر کا تو گماں تک بھی نہیں

گل بدن شاعری، جان و تَن شاعری
مست چشمِ صنم، جانِ من شاعری

درج بالا اشعار میں مارے اور ہارے، رنگ اور سنگ، حوالوں اور سوالوں، باتوں اور راتوں، تن اور من، صنعت تجنیس مضارع کی مثالیں ہیں۔

تجنیس محرف:

تجنیس محرف یعنی دو لفظ جو لکھنے میں بالکل یکساں ہوں مگر حرکات و سکنات میں فرق رکھتے ہوں۔ اسے تجنیس ناقص بھی کہتے ہیں۔ تجنیس محرف بھی تجنیس ہی کی ایک صورت ہے۔ اکرم سہیل کے بہ ذیل شعر میں تجنیس محرف کی خوبی پائی جاتی ہے:

اُن کی باتوں میں بشر کا تو بیاں تک بھی نہیں
اِن کی راتوں میں سحر کا تو گماں تک بھی نہیں

درج بالا شعر میں "اُن اور اِن" حرکات کے فرق سے حرفی تجنیس موجود ہے۔

صنعت لف و نشر:

لف و نشر اُردو کی مقبول صنعت ہے۔ اُردو کے اکثر شعرا نے اس صنعت کا استعمال کیا ہے۔ شعر میں کسی چیز کے حوالے سے چند اور چیزوں کا ذکر کرنا جو اس کے ساتھ مناسبت رکھتی ہوں۔ لف و نشر کہلاتی ہیں۔ اگر ان کے بیان

میں دونوں مصرعوں میں ترتیب موجود ہو تو لف و نشر مرتب اور اگر ترتیب موجود نہ ہو تو لف و نشر غیر مرتب ہو گی۔ڈاکٹر سلیم اختر کے بہ قول:

"علم بیان کی اصطلاح میں لف و نشر سے مراد وہ صنعت ہے کہ شعر کے پہلے مصرع میں کچھ چیزوں کا ذکر ہو اور دوسرے مصرع میں ان کی مناسبت سے چیزوں کا ذکر کیا جائے۔ اگر دوسرے مصرع میں چیزیں پہلے مصرع کی ترتیب کے مطابق ہوں تو اسے لف و نشر مرتب کہتے ہیں اگر یہ ترتیب بر قرار نہ رہے تو اسے لف و نشر غیر مرتب کہتے ہیں"۔(۱۱)

آزاد کشمیر کے سبھی شعرا نے اس صنعت کو اپنے کلام میں خوب برتا ہے۔ دیگر شعرا کی طرح اکرم سہیل کے کلام میں بھی خال خال اس صنعت کی مثال مل جاتی ہے۔ بہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

ایسی بستی کہ جہاں لوگ ہوں گستاخ بہت
ایسا گھر، کوچہ و بازار جلایا جائے

صنعت تضمین:

تضمین بھی اُردو کی معروف صنعت ہے۔ اس صنعت کو مزاح گو شعرا نے کثرت سے برتا ہے۔ علم بدیع کی رو سے کلام میں جب کسی دوسرے شاعر کا ایک مصرع یا غزل میں ایک شعر استعمال کیا جائے اور وہ مصرع اور شعر ہم قافیہ ہو اُسے اصطلاح میں صنعت تضمین کہیں گے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کے بہ قول:

"کسی شاعر کے کسی شعر یا مصرعے یا قرآن کی کسی آیت یا حدیث کے کسی ٹکڑے کو اپنے کلام میں شامل کر لینے کا نام تضمین ہے۔"(۱۲)

اس تعریف کی رو سے کلام میں حدیث، قرآن کا کوئی فقرہ شامل کر دینا بھی تضمین کی ایک صورت ہے۔ جب کوئی شاعر کسی دوسرے کا ایک شعر یا مصرع لے کر پوری نظم یا غزل کہہ دے تو اس میں یہ ضروری نہیں کہ تضمین کیا ہوا شعر یا مصرع وہی معنی دے جو اس کے پہلے تھے بل کہ بدلے ہوئے سیاق و سباق کے حوالے سے معنویت مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ اکرم سہیل کے ہاں بھی تضمین کو جا بہ جا استعمال کیا ہے۔ تضمین کے حامل اشعار اور قطعات ملاحظہ ہوں:

نوع انسان کو دیا ایک نرالا انداز
"نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز"

روٹی ، کپڑا اور مکان
ربّ کی نعمتوں کا سامان
تا کہیہ بھی کبھی تو کہہ سکیں
"فبای الا ربکما تکذبان"

"عدل ہی ضامن بقائے ملک ہے"
کہہ گئے مولا علیؓ شیر خدا

کب کے آزاد ہوئے پر نہیں بدلا اب بھی؟
کتنا اس قوم کا پختہ ہے غلامی کا خمیر

اس ڈرامے سے تو یہ بات ہوئی ہے ثابت
"کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر"

یاد انھیں آمریت کے کیا زخم نہیں
روحِ آمر کو جو ہر بار صدا دیتے ہیں

نہیں سیکھا ہے سبق قوم نے اب بھی کوئی
"اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں"

ہر بار بکنا لکھا ہے کشمیر تیرے نام
کب تک بکے گی تو ارے اے خاک ارجمند؟

افسوس صد ہزار کہ اک بار پھر بکی
"قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند"

تراکیب سازی:

اکرم سہیل نے اپنے کلام میں جہاں صنعتوں کا استعمال کیا ہے وہیں انھوں نے تراکیب سازی کو سلیقے کے ساتھ شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ تراکیب سازی کے حوالے سے بھی اکرم سہیل نے اپنے فن کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ اکرم سہیل کے ہاں تراکیب ملاحظہ ہوں:

جو بھسم کر کے رکھ دے نظامِ کُہن
ہے اُسی شعلگی کی لگن شاعری

گر یونہی بوتے رہے فصلِ عداوت تو سنو
ہر طرف بکھرے ہوئے خارِ مغیلاں ہوں گے

اُس کا چہرہ ہے رُو برو گُل کے
آتشِ گل سے ہے عیاں بابا

چلا کے تیغِ ستم بھی وہ سرنگوں ہی رہے
حسینؓ سر کو کٹا کے بھی سرفراز رہا

ہر ایک چاہنے والے کے دل میں آبیٹھا
قریب تر رگِ جاں سے بھی تو سما بیٹھا

چڑھا کے سر کو نیزے پر دیا ہے درس دنیا کو
حسینؓ کا نغمہ آزادی، وہی پیغامِ حریت

درج بالا اشعار میں اکرم سہیل نے نظامِ کہن، فصلِ عداوت، خارِ مغیلاں، آتشِ گل، تیغِ ستم، رگِ جاں اور پیغامِ حریت تراکیب استعمال کی ہیں۔

روز مرہ و محاورہ:

روز مرہ اور محاورہ کا بر محل استعمال شاعری کی زباں پر مکمل دسترس کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ محاورہ سے مراد خاص اہل زبان کے روز مرہ، بول چال، اُسلوبِ بیاں ہے۔ محاورے کا اطلاق ان افعال پر ہوتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ مل کر حقیقی معنوں کی بہ جائے مجازی معنوں میں استعمال ہو۔ پروفیسر انور جمال کے بہ قول:

> "محاورہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا ایسا مجموعہ جو مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اہل زبان کی گفتگو کے مطابق ہوتا ہے"(۱۳)

روز مرہ بھی اہل زبان کی گفت گو، بول چال، اُسلوبِ بیان کو کہتے ہیں لیکنیہ محاورہ کی نسبت زیادہ عام اور وسیع ہے۔ روز مرہ میں ہر لفظ اپنے حقیقی معنوں ہی میں استعمال ہوتا ہے۔ ابوالاعجاز صدیقی کے مطابق:

> "روز مرہ بیان کے اس اُسلوب اور بول چال کو کہتے ہیں جو اہل زبان استعمال کرتے ہیں اس کے خلاف استعمال غلط سمجھا جاتا ہے"(۱۴)

"غم کھانا، قسم کھانا" محاورے اور "پانچ سات، انیس بیس" روز مرہ کی مثالیں ہیں۔ اکرم سہیل نے شاعری کے دیگر فنی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ زبان کی فصاحت وبلاغت میں اضافہ کے لیے محاورہ اور روز مرہ سے خوب کام لیا ہے۔ ان کے کلام میں محاورات کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

دشمنوں کے خنجر تو سامنے ہی ہوتے ہیں
تو نے بس تو بچنا ہے آستیں کے سانپوں سے

دل غموں کے پہاڑ ہوں جیسے
لب تو ساکت ہیں، آنکھیں روتی ہیں

چیختے دَم توڑتے ہوئے بچے
حوصلہ کس کا کہ ان کو دیکھ سکے

پانی پانی تھا پکارے ڈی جے بٹ
دل پسیجا نہ مرے کپتان کا

یاں پہ انصاف، کی منصف سے توقع ہے عبث
ماسی ویہڑہ، تو عدالت کو بنا رکھا ہے

تر بتر انگلیاں ان کی تو ہیں پانچوں گھی میں
سر کو اپنے بھی کڑاہی میں پھنسا رکھا ہے

عدل کہتے ہیں مگر عدل کہاں کرتے ہیں
عدل کے نام پہ ظلمت کا یہ دم بھرتے

نظامِ زر ہے پیامی فقط اندھیروں کا
سراغ ڈھونڈنا ہو گا ہمیں سویروں کا

درج بالا اشعار میں آستیں کا سانپ، دم توڑنا، غم کا پہاڑ، پانی پانی ہونا، ماسی ویہڑہ، پانچوں گھی میں، دم بھرنا، سراغ ڈھونڈنا، محاورات کا خوب صورت استعمال کیا گیا ہے۔

استفہامیہ انداز:

اکرم سہیل کے کلام میں جابہ جا استفہامیہ لب و لہجہ جھلکتا ہے۔ ان کے ہاں سوالیہ انداز بدرجہ اتم موجود ہے۔ کبھی یہ سوال کرتے ہیں، کبھی ارضِ وطن سے ظلم و ناانصافی غلامی کے سائے کب معدوم ہوں گے، کبھی یہ کہ بے توقیر لوگوں کو کب عزت ملے گی؟ اور کبھی یہ سوال ہوتا ہے کہ اقبال کے خواب کو تعبیر کب ملے گی۔ اس طرح کے کئی سوالات سے ان کا کلام بھرا پڑا ہے مثلاً ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

تجھ سے اے ارض وطن! کب یہ ڈھلیں گے سائے؟
کب تری مانگ ستاروں سے بھری پائیں گے؟

فردِ بے مایہ کو توقیر ملے گی کب تک؟
خوابِ اقبال کو تعبیر ملے گی کب تک؟

اسی طرح مزید مثالیں واضح ہوں:

ملوک و جبر کا سکہ چلا کہاں، کب تک؟
کُلاہِ جبر رہا طرہ عیاں کب تک؟

وطن کو بیچ کے کھائیں گے کب تلک یوں ہی؟
نظامِ کُہنہ پہ کب تک نقاب ٹھہرے گا؟

پیدا مولا نے ہے کی، ہر رنگ کی مخلوق یہاں
کون کہہ سکتا ہے بس میں ہی یہاں ہوں کامل؟

چہرے پہ کیوں نقاب رکھے ہیں؟
نام کشمیر ساتھ رکھے ہیں

سب وسائل میں تیرے قبضے میں
باندھ کر میرے ہاتھ رکھے ہیں

کیوں گلہ کرتے ہو ماحول کی تاریکی کا
گر جنوں ہے تو، تہہ دل سے کفارا کیجیے

اپنے رستے ہی جب جدا ٹھہرے
کیسے ہوتے نہ پھر جدا ہم لوگ

اُسلوب:

اُسلوب سے مراد کسی بھی ادیب وشاعر کا انداز بیاں ہوتا ہے۔ مختصراً کسی شاعر یا نثر نگار کا انداز نگارش اُسلوب ہوتا ہے۔ اُسلوب لکھنے والے کی شخصیت کا مکمل آئینہ دار ہوتا ہے۔ ابوالاعجاز صدیقی اُسلوب کی بابت لکھتے ہیں:

"اُسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ، ادائے مطلب یا خیالات، وجذبات کے اظہار وبیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت کے شمول سے وجود میں آتا ہے اور چوں کہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتاد طبع، فلسفہ حیات اور طرز فکر و احساس جیسے عوامل مل جل کر حصہ لیتے ہیں۔ اس لیے اُسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے" (۱۵)

ایک اچھا اُسلوب روایت سے جدا ہو کر صرف جدت کے ذریعے پیدا نہیں ہو سکتا۔ بل کہ روایت کے ساتھ ساتھ چل کر عمدہ اور منفرد اُسلوب سامنے آ سکتا ہے۔ اکرم سہیل اپنی زندگی میں تمیز دار، نرم دل اور محبت کے جذبے سے سرشار ہیں آپ اسی طرح اپنے فن کے آئینے میں اپنی شخصیت کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ہاں بعض انفرادی اوصاف کے علاوہ کچھ زاویے اور پہلو ایسے ہیں جو خطہ کشمیر کے تمام شعرا کے ہاں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر آزاد کشمیر کا کوئی شاعر ایسا نظر نہیں آتا جس نے تحریک آزادی کشمیر کے علاوہ

جھیل ڈل، نیلمیا جہلم، چنار وغیرہ کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ فطری طور پر ان موضوعات سے آزاد کشمیر کے شعرا کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اکرم سہیل کے ہاں بھی ایسے تمام زاویے موجود ہیں جو دیگر شعرائے آزاد کشمیر کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً نیلم اور جہلم کا ذکر اس قطعے میں ملاحظہ ہو:

جو سر بھی کٹتا ہے
جو خون بھی نکلتا ہے

نیلم میں بھی، جہلم میں بھی
وہ خون بھی بہتا ہے

ان کے کلام میں مزاحمتی رنگ کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کا استعمال بھی نظر آتا ہے مثلاً پہاڑی، انگریزی وغیرہ کے الفاظ بھی ان کے اُسلوب کا خاصا ہیں جیسے:

میں ہوں اس دیس کا سیاست داں
فالو کرتا ہوں قومی پالیسی

ایک پہاڑی نظم سے ایک بند ملاحظہ ہو:

پیکجاں نے اساں نعرے لائے
ٹھیکیاں وچوں کمیشن کھائے

دھرتی پر کچھ نظر نہ آیا
پیسے اِدھر، ٹھیکے اُدھر

اسی طرح اکرم سہیل کے ہاں انگریزی کے الفاظ لیڈر، پرمٹ، کرپشن، گریڈ پندرہ، وٹس ایپ، میلوں، چیٹنگ، ڈیٹ، ہارڈ ڈسک، گوگل، انسٹال وغیرہ وغیرہ کو بڑی خوش اُسلوبی سے کلام میں بیان کیا ہے۔ پنجابی زبان میں ایک بند ملاحظہ ہو:

اے ملک اے ساڈا، اَسی مالک اِس دے
ہوئے چند لٹیرے کیوں قابض اِس تے

اے تے ہیر اے میری، میں آں رانجھا اِس دا
دل رب نال جوڑو، کرو اللہ اللہ

اکرم سہیل کے ہاں سادہ اور رواں اُسلوب موجزن ہے۔ ان کے ہاں شاعرانہ موضوعات میں کہیں کہیں تکرار بھی پائی جاتی ہے۔ کوئی شاعر جس کی اُردو شاعری کی تاریخ اور روایت پر گہری نظر ہو وہ اس کے اثرات سے بچ نہیں سکتا۔ اساتذہ شعرا کے اثرات سے بچنا محال ہی نہیں بل کہ ناممکن ہے۔ اکرم سہیل کے ہاں بھی اساتذہ کے اثرات موجود ہیں۔ اکرم سہیل کے ہاں یہ اثرات ملاحظہ ہوں:

امیر مینائی کا اثر:

کوئی بھی چور چرا لے گا یہ خیال رہے
الگ سے باندھ کے تم نے جو مال رکھا ہے

امیر مینائی کا شعر:

آنکھیں کیوں دکھاتے ہو، جون بھی دکھاؤ صاحب
وہ الگ باندھ کے رکھا جو مال اچھا ہے

اقبالؔ کا اثر:

شیخ مے خانے میں بھی اپنی ادا نہ بھولے
پیتے پیتے بھی وہ کہتے ہیں، حرام اے ساقی

اقبالؔ کا شعر:

مری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ یہ بھی حرام اے ساقی

اقبالؔ کا اثر:

جہاں پہ عدل کا معیار بس تعلق تھا
جہاں پہ دوڑے پھرتے تھے ظلم کے گھوڑے

اقبالؔ کا شعر

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے!

نازخیالوی کا اثر:

کار سرکار شکنجے میں پھنسا رکھا ہے
دام سازش کا بھی ہر سمت بچھا رکھا ہے

غالبؔ کا اثر:

آنکھ سے بھی کہا کرے کوئی
دل کی بھی تو سنا کرے کوئی

غالبؔ کا شعر:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

ایک کیفیت جو ان کی شاعری میں جا بہ جا نظر آتی ہے وہ ان کے شعروں میں بے باکی اور حقیقت پرستی کا احساس دلاتی ہے۔ شاعر کا سلیقہ اس سے اور بھی بہت سی باتوں کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک سلیقہ مند شاعر کی پہچان اس کا جنوں، اس کا نام، اس کا مقام اس کے فن سے نظر آتا ہے۔ وہ زمان و مکان سے آزاد ہر عہد اور ہر زمانے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اکرم سہیل ان ہی صداقتوں کے شاعر ہیں۔ جنھوں نے سچائیوں اور صداقتوں سے لبریز اپنی شاعری کو پیش کیا۔

حوالہ جات

۱۔ مقالہ نگار کا اکرم سہیل سے انٹرویو، ۱۱/اکتوبر ۲۰۱۷ء۔

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۸۸۔

۳۔ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء،

ص۲۱۔

۴۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۸٦۱۔

۵۔ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء،

ص۷۴۔

٦۔ فرہاد احمد فگار، آزاد کشمیر کے منتخب غزل گو شعرا، مقالہ برائے ایم فل اُردو، نیشنلیونی ورسٹی

آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۷۱۰۲ء، ص۸۴۱۔

۷۔ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء،

ص۹۳۔

۸۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۲۷۱۔

۹۔ عابد علی عابد، سید، البدیع، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۵۸۹۱ء، ص۷۹۲۔

۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۷۴۔

۱۱۔ ایضاً، ص۲۲۲۔

۱۲۔ صدیقی، ابوال اعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۰۴۔

۱۳۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص۰۷۱۔

۱۴۔ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء،

ص۰۹۔

۱۵۔ ایضاً، ص۱۳۔

باب چہارم:

ماحصل

اُردو شاعری کی روایت کے امین شعرا نے ہمیشہ ان اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھا جو متقدمین نے متعین کیے تھے۔ در حقیقت زبان کا بقا ایسی ہی کاوشوں کی رہین منت ہوتا ہے اس طرح زبان زندہ رہتی ہے۔ اس کے ارتقا کے امکانات میں اضافہ ہوتا ہے۔ بیسویں صدی میں قیام پاکستان سے لے کر لمحہ موجود تک تمام شعرا نے اس روایت کو برقرار رکھا ہے۔

اکرم سہیل عصرِ حاضر کے منفرد شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ آپ دراصل ایسے شاعر ہیں جن کی شاعری مقصدیت اور حقیقت سے عبارت ہے۔ اکرم سہیل اپنی روز مرہ کی زندگی میں نرم دل اور حساس طبعیت کے مالک شاعر ہیں۔ تمیز دار، نرم دل اور محبت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ اکرم سہیل ایک نرم خو اور احساس دل رکھنے والے شاعر کی حیثیت سے ابھرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اکرم سہیل ایک ایسے منفرد شاعر ہیں جن کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا مذہب انسانیت ہے۔ یہی وجہ ہے جب ۲۰۰۵ء میں اقلیتی مذہب کی حامل بچی کو دفن کی جگہ نہیں ملی تو آپ کا دل اس انسانیت سوز سلوک سے لرز جاتا ہے۔ جس کی جھلک ان کی شاعری میں موجود ہے۔ ان کے نزدیک تمام لسانی، معاشرتی اور علاقائی اونچ نیچ سے انسانیت کا مذہب مقدم ہے۔ چوں کہ اسلام ہی ہمارا مذہب اور دین ہے۔ اکرم سہیل مذہبی لحاظ سے کسی مسلک یا فرقے کا قائل نہیں ہیں کیوں کہ قرآن میں فرقہ واریت سے منع کیا گیا ہے۔ مولانا حالیؔ کے بہ قول

ے یہ پہلا سبق ہے کتاب ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

اور اقبال نے بھی یہی کہا ہے کہ:

؎اصل تہذیب احترامِ آدمی است

ان کے نزدیک سب سے بڑا مذہب انسانیت کا مذہب ہے اور وہ اسی مذہب انسانیت کے قائل ہیں اور اسلام کی بھی یہی تعلیم ہے۔

اکرم سہیل کی شاعری میں یہ چیز کثرت سے ملتی ہے کہ آپ عام مزدور کے دکھ کو اپنا درد سمجھتے ہیں۔ آپ کے نظریات کا مرکز و محور انسانیت ہے۔ ادبی دنیا میں کوئی شیعہ، سنی، مسلم، سکھ، عیسائی کا تصور نہیں ادب میں سب برابر ہیں اور سب کا مذہب ادب اور دین محبت ہے۔ مثلاً مزدور اور محنت کش کے درد کو اکرم سہیلیوں محسوس کرتے ہیں:

دائیں بائیں ان کے دیکھو سبھی ہیں سرمایہ دار
لوٹتے مزدور کی محنت کو یوں یہ برملا

اس ملک میں غربت بہت ہے، استحصالی لوگ ملک کے غریب طبقے کو کسی بھی شعبے میں آگے نہیں بڑھنے دیتے جس سے یہ طبقاتی نظام مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا ہے۔ اکرم سہیل کی شاعری میں اسی طبقاتی اور استحصالی نظام کے خلاف مزاحمت کا رویہ کھل کر سامنے آیا ہے۔ استحصالی طبقہ ملک پر مکمل قابض ہے۔ ملک کے وسائل کو لوٹنے کے ساتھ ساتھ اپنا سکہ جما رکھا ہے۔ اکرم سہیل نے اس ظلم و ستم کے خلاف شاعری میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے ان کے جذبات میں سچائی اور حق گوئی کی شرینی بھی شامل ہے۔ آپ کا شعری

مجموعہ "نئے اجالے ہیں خواب میرے" ظلم واستحصال کے خلاف جذبات کا عمدہ اظہار ہے۔ حق گوئی وبے باکی کا یہ انداز کسی کسی کے حصے میں آتا ہے۔

اکرم سہیل کی شاعری میں زیادہ تر نظمیہ شاعری ہے۔ غزلیات کی نسبت انھوں نے نظموں میں زیادہ زور مارا ہے۔ ان نظموں میں غریبوں کے مسائل اور غریبوں کی آواز کو بہتر طریقے سے اجاگر کرتے ہیں۔ انھوں نے غزلیات کی نسبت نظموں میں طبع آزمائی اس لیے زیادی کی کہ ان کے نزدیک نظموں کا اپنا الگ مقام ہوتا ہے۔ لوگوں کے مسائل، شاعری برائے مقصدیت، غریبوں کی آواز وغیرہ کو اچھے طریقے سے سمویا جا سکتا ہے۔

اکرم سہیل نے اپنی شاعری میں نوجوان نسل کو یہ سمجھانے کی سعی کی ہے کہ استحصالی طبقے نے آزاد کشمیر کے وسائل پر قبضہ جمانے کے ساتھ ساتھ اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ اس خدشے سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ پن بجلی کے مکمل ثمرات سے عوام کو مستقل محروم رکھا جائے گا۔ اکرم سہیل نے اپنی شاعری میں اپنی پوری زندگی کے مشاہدات وتجربات کا نچوڑ پیش کرنے کے علاوہ سیاسی وسماجی نظام کو مؤثر طریقے سے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں ریاستی وسائل کی لوٹ مار کو کھل کر بیان کیا ہے۔ ریاستی وسائل اور آزاد کشمیر کی سیاست پر مخصوص قبضہ گروپ کے خلاف سینہ سپر ہو کر احتجاج کیا ہے۔ اکرم سہیل بے باکی اور سچائی پر جواد جعفری اپنے ایک کالم جو کہ ۲۶ر اکتوبر ۲۰۱۶ء کو روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوا، اس میں لکھتے ہیں:

"اقتدار کے ایوانوں اور حکومت کی غلام گردشوں میں دن رات تذلیل انسانیت کا جو شرم ناک کھیل ہمارے معاشرے میں کھیلا جا رہا

ہے اکرم سہیل نے بڑی چابک دستی اور پرکاری کے ساتھ اس کا پردہ
چاک کیا ہے اور بڑے برے پردہ نشینوں کے مکروہ چہروں سے اجلی
نقاب نوچ کر پرے پھینک دی ہے۔ اکرم سہیل کو بڑا شاعر ہونے کا
دعویٰ نہیں کہ اس کی شاعری کو روایتی انداز سے دیکھا جائے وہ ایک
سچا شاعر ہے جس نے جو دیکھا جو محسوس کیا اسے پوری سچائی، دیانت
داری اور دلیری کے ساتھ آسان لفظوں میں بیان کر دیا۔"

درج بالا عبارت سے ان کی فکری گہرائی کا اندازہ بہ خوبی ہوتا ہے۔ درد مند دل رکھنے والا اکرم سہیل کشمیر میں ہونے والے ظلم و ستم سے بہت نالاں ہیں۔ اس کے خلاف ان کی شاعری میں سخت احتجاج نظر آتا ہے۔ کشمیر کی آزادی کے لیے بے چین ہیں۔ کشمیر میں امن کی تلاش ان کی فکری سوچ میں شامل ہے۔ اکرم سہیل اپنے کلام میں امن و محبت کا رنگ دیکھا جا سکتا ہے:

اس عہد ظلم و ستم کا بھی خاتمہ ہو گا
ہمارے دیس میں کب امن اے خدا ہو گا

اسے تو امن و محبت کا ترجماں کر دے
مرے خدا مری دھرتی کو گلستاں کر دے

اکرم سہیل کی شاعری میں زیادہ تر نظمیں قومی اور انقلابی نوعیت کی ہیں۔ ان کے کلام میں آزاد نظمیں بھی ہیں۔ مثلاً ان کی نظمیں "قتل انسان کے کلچر کا فروغ"، "الوداع الوداع میرے بیٹے" اور "سری نگر بس سروس" دل دہلا

دینے والی فریاد کی حامل ہیں۔ اکرم سہیل چوں کہ ایک قوم پرست انسان ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں قومی شاعری بھی موجود ہے۔ ان کی شاعری میں انقلاب کی گھن گرج بھی ہے مثلاً

جھول کر دار یہ منصور نے قاتل سے کہا
ہم کہاں مرتے ہیں مصلوب دوبارہ کیجیے

اکرم سہیل کشمیر کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں اور ایک ایسی آزادی کے خواہاں ہیں جس ریاست میں بلا شرکت غیرے تمام قوانین و اصول اپنے ہوں۔ وہ اپنی شاعری کا محرک اس طبقے کو گردانتے ہیں جس کے پاؤں صدیوں سے غلامی کے شکنجے میں ہیں۔ اپنے جذبات کے اظہار اور اپنے فن کو ان کے لیے تصور کرتے ہیں۔

جن کے پاؤں میں صدیوں سے زنجیر ہے
اُن کی خاطر مرا عرضِ فن شاعری

اکرم سہیل کا قلم حالات حاضرہ کے موضوعات پر خوب چلا ہے۔ ان کی شاعری حقیقت کی شاعری ہے جہاں کوئی واقع رونما ہوتے دیکھا فوراً اسے موزوں کر لیا۔ اپنے گردونواح اور حالات حاضرہ کے کئی موضوعات کو انھوں نے اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ اپنے وطن عزیز کی سیاست کو حرف تنقید بنایا اور حقیقت کا پردہ چاک کیا ہے مثلاً:

ہے سیاست مرے وطن کی یہی
مت غریبوں کا کچھ خیال کرو
اور حربہ کوئی نہ کام آئے

نام مذہب کا استعمال کرو

اکرم سہیل ملکی سیاست کے نظام پر گہری چوٹ کستے ہیں۔ کرپشن، لوٹ مار، اقتدار کی ہوس، اقتدار کی خاطر عزت و غیرت کا جنازہ نکالا جاتا ہے، سب عناصر کو اکرم سہیل نے شاعری کے ذریعے عیاں کیا ہے۔ ملک کا سیاست دان تو خاص ان کا موضوعِ سخن رہا ہے مثلاً:

میں ہوں اس ملک کا سیاست داں

دل میں حسرت ہے اعتبار ملے

کر کے نیلام عزت وغیرت

اقتدار اور اختیار ملے

اکرم سہیل خود ایک باوقار شخص ہیں۔ اس لیے وہ ایک باوقار قوم دیکھنا چاہتے ہیں ان کی شاعری میں اس کی جھلک موجود ہے۔ آپ کے نزدیک وہ قومیں آگے نہیں بڑھ سکتیں جن کے فکری شعور کے قدغن لگا دیا جاتا ہے۔ ذہنوں کے ارتقا سے قوم ترقی کر سکتی ہے۔ اس ملک کو حقیقی معنوں میں آزادی حکمرانوں کے تبدیل ہونے کی بہ جائے معاشی، سیاسی، تعلیم، صحت، آزادی اظہار رائے وغیرہ سے مل سکتی ہے۔ اختلاف رائے مثبت عمل ہوتا ہے۔ جبر سے کوئی بھی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ اختلاف رائے کو ملک دشمنی، اسلام کفر کی بات نہیں بنانی چاہیے۔ اکرم سہیل کی شاعری میں اس طرح کے نظریات وخیالات کی فراوانی ہے۔

اکرم سہیل اپنی شاعری میں خواب دیکھتے ہیں، ایسے خواب جو شعور کو بے دار کر کے دیکھے جاسکتے ہیں۔ وہ ملکی ترقی کا خواب، معاشرے کی خوش حالی کا

خواب، آزاد کشمیر کا خواب دیکھتے ہیں۔ اکرم سہیل اپنی شاعری میں نوجوانوں سے امید کرتے ہیں کہ یہ ملک کو استحصالی پنجوں سے آزاد کروائیں گے۔ اکرم سہیل کے مطابق، اس ملک میں نوجوان ہی تبدیلی لا سکتے ہیں اب نوجوانوں کو اٹھنا ہو گا۔ میرے نوجوان ہی خواب دیکھ سکتے ہیں۔ آزادی کا، خوش حالی کا، امن کا، اور اس کی تعبیر کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کی یہ شاعری نوجوانوں کے لیے ہے۔

اکرم سہیل کی شاعری میں رجائیت کے پہلو بھی نمایاں ہیں ان کے حوصلے پہاڑوں کی طرح مضبوط اور بلند ہیں۔ ان کے ہاں مزاحمتی رنگ کی وجہ سے رجائی لہجہ کم یاب نہیں ہوا۔ اکرم سہیل اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خوشی اور امن کے لمحات ضرور ان کا دامن آن پکڑیں گے۔ مثلاً:

عزم و ہمت سے خیالات کو تبدیل کرو
دکھ اور درد کے حالات کو تبدیل کرو
اپنے ہاتھوں سے نئی دنیا بساؤ لوگو
غم کے پھیلے ہوئے، سایوں کو ہٹاؤ لوگو

چمن تازہ کو کریں گے پھر سے آباد
غم میں ڈوبی ہوئی روحوں کو کریں گے ہم شاد

اکرم سہیل کے کلام میں انتہائی مہذب جذبے کا بنیادی تاثر نظر آتا ہے۔ اکرم سہیل ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے اپنے جذبات کو پہچانتے ہوئے انھیں الفاظ کے قالب میں ڈھال رہے ہیں۔ آپ کے کلام کا خاصا ہے کہ اس میں

ہر بات کا اظہار انھوں نے کھل کر کیا ہے۔ آپ کے کلام میں کوئی انتہائی پے چیدہ بات بھی بڑی سلاست و روانی سے بیان کی گئی ہے۔ آپ کے کلام میں شیرینی وحلاوت، سلاست وروانی کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں مثلاً:

شیوہ ساقی نہیں لطف کو محدود رکھے
جس طرف آنکھ اُٹھے، جام پہ جام اے ساقی

چاند چھپ چھپ کے جو تکتا ہے تمھارا چہرہ
کہتا ہے شبِ وصل نظارا کیجیے

لے کر پھرتے رہے انا ہم لوگ
ورنہ تھے یوں نہ بے وفا ہم لوگ

اکرم سہیل نے طنز و مزاح کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ معاشرتی ناہمواریوں، کج رویوں اور کم زوریوں کو انھوں نے لطیف انداز میں شاعری میں سمویا ہے۔ ان کا ذوق مزاح جدید شعرا میں شمار ہوتا ہے مثلاً ان کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

دل کسی کا کبھی بھی مت توڑو
دل پذیری ہزار بہتر ہے
جعلی پیروں کا مرید بننے سے
رن مریدی ہزار بہتر ہے

اکرم سہیل نے شعری رویات کو بر قرار رکھتے ہوئے محبت کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے۔ ان کے کلام میں محبت کا تذکرہ نئے اُسلوب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ مثلاً ان کے یہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

خلقتِ شہر امڈ آئی ترے کوچے میں
وہ لبِ بام کہیں تیری جوانی تو نہیں
اس نے چاہت سے جو سینے سے لگا رکھی ہے
اے محبت! یہ کہیں تیری نشانی تو نہیں

اکرم سہیل نے جذبے اور فکری آمیزش سے خوب صورت اُسلوب وضع کیا ہے۔ ان کے کلام میں اُسلوب، لفظیات اور اظہار کے پیرائے میں سچائی اور حقیقت کا احساس ملتا ہے۔ اکرم سہیل نے نئے فکری زاویوں کو شعر کے سانچے میں کمال مہارت سے ڈھالا ہے۔ ان کی شاعری میں محبت، دلی جذبات کی کیفیات ملتی ہیں۔ ان کیفیات کو خوب صورت تشبیہات و استعارات اور الفاظ و معانی کیشکل میں بیان کیا ہے۔ ان کی شاعری میں فکری خوبیوں کے ساتھ ساتھ فنی خصائص بھی موجزن ہیں۔ ان کے کلام میں علم بیان کے اجزا تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ سمیر صنائع لفظی و معنوی کی جا بہ جا مثالیں دکھائی دیتی ہیں۔ بدیع میں صنعت تلمیح، صنعت ترافق، صنعت تضاد، صنعت تکرار، صنعت مراۃ النظیر، صنعت سیاق الاعداد، صنعت تجنیس، صنعت لف و نشر اور صنعت تضمین وغیرہ جیسی صنعتوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں روز مرہ اور محاورات کا بھی عمدہ استعمال کیا گیا ہے۔

اکرم سہیل کی شاعری کا سلسلہ اُردو شاعری کی کلاسیکی روایت سے قدرے منسلک ہونے کے ساتھ جدید لہجے اور منفرد انداز کی عکاسی کرتا ہے۔ جس میں انسانی سوچ و جذبات کے مختلف انداز، موضوعات، خیال و فکر، حقیقت اور کیفیات کے سلسلے ایک لڑی میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک کیفیت جو ان کی شاعری میں بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔ وہ ان کے شعروں میں انانیت اور خودپرستی کا احساس دلاتی ہے۔

اکرم سہیل کی شاعری کا اگر بہ غور مطالعہ کریں تو ان کے کلام پر کئی دیگر شعرا کے رنگ کا اثر بھی نظر آتا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنے دور کے جدید شعرا کے علاوہ روایت کے کلاسیکی شعرا سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اقبال کا رنگ دیکھیے:

مری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی

شیخ مے خانے میں بھی اپنی ادا کب بھولے
پیتے پیتے بھی وہ کہتے ہیں، حرام اے ساقی

اکرم سہیل کی شاعری میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ایک شاعر کو لازوال مقام کے باعث بنتی ہیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا وہ سب سوچ سمجھ کر، جانچ پرکھ کر لکھا، ان کے کلام میں ایک اچھے شاعر کی تمام خصوصیات موجزن ہیں۔ اکرم سہیل نے متعدد کلاسیکی شعرا کے ساتھ اقبالؔ، ن م راشد، فیض احمد فیضؔ، ساحرؔ لدھیانوی، مجید امجد اور مصطفی زیدی کی نظمیہ شاعری کو خوب پڑھا اور

پھر حرزِ جاں بنایا۔ انھوں نے جو کچھ لکھا سوچ سمجھ کر لکھا۔ اساتذہ سخن سے انھوں نے کہے ان کہے طور پر کسب فیض کیا۔ اور اپنی راہ بنانے کی شدید شعوری کوشش کی۔ خیال اپنا، اُسلوب ملا جلا، موضوع آس پاس، گردو بیش پھیلا ہوا، ذہن رسا، انسان دوست، غریب نواز، دل درد مند رکھنے والا شاعر، لفظوں کی بنت، مصرعوں کی جڑت اور اپنے انداز میں اپنی بات کہنے والا، ترقی پسند، روشن خیالشاعر ہیں۔

اکرم سہیل کی شاعری میں موجود موضوعات کا انتخاب در حقیقت ان کے جذبات کے اظہار کا ایک معتبر حوالہ ہے۔ ہر وہ موضوع جس نے ان کے مزاج اور طبعیت پر اپنے اثرات نمایاں کیے، تخلیقی سطح پر بھی اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اکرم سہیل کی شاعری میں وہ تمام فنی و فکری خصوصیات موجود ہیں جن کی بنا پر ہم اس بات کی تائید کر سکتے ہیں کہ عصر حاضر میں اکرم سہیل آزاد کشمیر کے جدید شاعر ہیں۔ جن کی شاعری سے اُردو ادب کے دامن میں خاطر خواہ اضافہ ہو گا۔ آپ کا کلام آنے والے کئی حقیقت پرست شعرا کے لیے ایک راستہ ہے۔ جن پر چل کر وہ اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔

ضمیمہ جات

۲۴/اپریل ۲۰۱۶ءاکرم سہیل ایک تقریب میں شوکت اقبال، اعجاز نعمانی، فرہاد احمد فگار اور
حسن ظہیر راجا کے ہم راہ
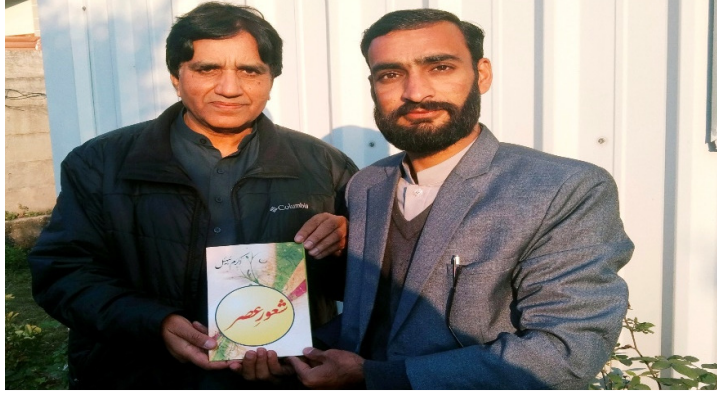
۲؍جنوری ۲۰۲۳ء اکرم سہیل، مصنف (رانا توفیق صدیقی) کو اپنی تصنیف "شعور عصر" دیتے ہوئے۔